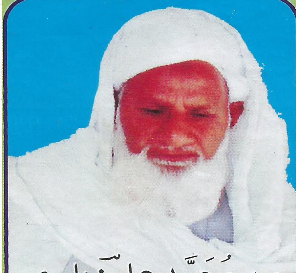
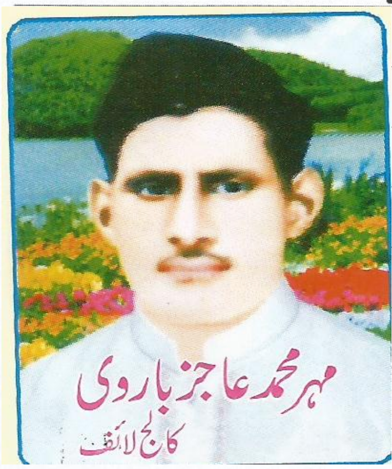

مِہر مُحَمَّد عاجزؔ باروی

خوشبوئے فکر

تُو سَمایا ہے مری ذات میں خُوشبو کی طرح
مُجھ میں جو بولتا ہے تیرا ہی دم بولتا ہے
ڈھونڈ لیتا ہے تُجھے ڈھونڈنے والا ہر اک
تیری ہر راہ کا ہر نقشِ قدم بولتا ہے

مِہر مُحَمَّد عاجزؔ باروی

مہر محمد عاجز باروی



نام	مہر محمد
تخلص	عاجز
قلمی و نسبتی نام	عاجز باروی
والد کا نام	محمد سلیمان
اُستاد کا نام	فقیر اللہ بخش کشفی ملتانی
تاریخ پیدائش	پانچ اکتوبر 1938ء (05.10.1938)
جائے پیدائش	لوہانہ شہر تحصیل فتح آباد ضلع حصار
وجہ شعر گوئی	روزِ اول لکھ دیا تھا کاتبِ تقدیر نے شعر گوئی کا شغف عاجز مری تقدیر میں
کس زبان میں شعر کہے	اردو - سرائیکی
تصانیف	فکرِ حسین اور خوشبوئے فکر
کس صنف میں شعر کہے	حمد نعت نظم غزل منقبت قطعات اور فرد
موجودہ رہائش	قصبہ سناواں تحصیل کوٹ ادو ضلع مظفرگڑھ

نیچرل شاعری

خوبصورت اور زندہ شاعری

شاعری اگر دلی کیفیات و احساسات کی آئینہ داری کرتی ہے تو پھر محمد عاجز باروی ایک سچا شاعر ہے جسے قلبی واردات کو زبانِ شعر میں بے ساختہ انداز میں ادا کرنے کی قدرت حاصل ہے۔ عاجز باروی کا شعر پڑھ کر ہر ذہنی سطح کا قاری یکساں طور پر متاثر ہوتا ہے اور "میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے" کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ گویا عاجز باروی کے ہاں اظہار و ابلاغ کا ایک ایسا آہنگ ملتا ہے جو ہر پڑھنے سننے والے کے دل کے تاروں کو چھیڑتا ہے۔ برجستگی اور بے ساختگی ان کے شعر کا اضافی وصف ہے۔

عاجز باروی ایک خوبصورت شاعر ہیں جن کا اسلوب خوبصورت، فکر حسین اور پیرایۂ اظہار مؤثر اور دلنشیں ہے۔ انہوں نے خوبصورت اور زندہ شاعری کی ہے۔ ان کی شاعری درد و غم کی وسعتیں لئے ہوئے ہے وہ اجتماعی کرب اور معاشرتی دکھ کو اخلاص اور دردمندی سے شعر کے سانچے میں ڈھالنے کے فن سے آشنا ہیں۔ ان کے ہاں کیفیتِ عشق ان کی باطنی سچائی کا اظہار کرتی ہے۔ محبِ حقیقی کی چاہت اور اس کے متعلقات اور شوقِ دیدار کے پاکیزہ جذبات کی خوب عکاسی کرتے ہیں۔

عاجز باروی نے یوں تو ہر رنگ میں شعر کہے۔ حمد لکھی، نعت لکھی، سلام منقبت اور غزل میں اپنا رنگ دکھایا۔ قطعات لکھے لیکن ان کا اصل رنگ حمد و نعت اور غزل ہے۔ غزلیات میں متصوفانہ رنگ غالب ہے

حمد و نعت و سلام وہ شعری لڑیاں ہیں جن میں عقیدت و ارادت کے پھول پروئے گئے ہیں۔ ان نظموں میں فضائل و مناقب بھی ہیں حب و اطاعت کا اظہار بھی ہے۔ اپنی ذات کے لئے استمداد بھی ہے اور اُمت کے لئے استغاثہ بھی۔ ان میں طلب رحمت و شفاعت کے مضامین بھی ہیں اور عجز و انکسار کے لہجے میں عظمت کی ان بارگاہوں سے وابستگی کا اظہار بھی ہے۔

انداز بیان نہایت سلیس ہے اور حرف حرف سے اخلاص و للّٰہیت کی خوشبو آتی ہے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نغمہ الاپتے ہیں تو قلب و روح ہر دو سکون پاتے ہیں۔ اشعار میں قرآن و حدیث سے "اقتباس" کے ذریعے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ عقائد کی توضیح کرتے چلے جاتے ہیں۔ حمد و نعت عظمت و عقیدت کے متقاضی ہوتے ہیں۔ عاجز باروی نے اپنے جذبِ دروں سے کلام میں ایسا حسن پیدا کر دیا ہے کہ حمد کے ہر کلمہ سے عظمتِ خداوندی کا ترشح ہوتا ہے اور

نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر لفظ سے پاکیزہ محبت کی خوشبو آتی ہے۔ ان کی نعت میں کیفیتِ ہجر بھی ہے اور ذوقِ حضوری بھی۔ وہ پوری عقیدت اور مکمل لگن کے ساتھ فکرِ سخن کرتے ہوئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ابدی پیغام کو ایک نئے زاویے اور نئے اسلوب سے قاری تک پہنچانے کی سعی کرتے ہیں۔

غزل کا اپنا ایک مزاج ہے، اپنا لہجہ اور آہنگ ہے۔ لیکن غزل میں ہر شاعر اپنے رنگ و اسلوب میں دردِ دل کو بیان کرتا ہے۔ عاجز باروی کی غزل سادگی و پُرکاری کے جوہر سے مملو ہے۔ وہ نہایت بے ساختہ رنگ میں دل کی بات کہہ دیتے ہیں۔ عاجز باروی کی غزل میں احساسات وجذبات کا نہایت شائستگی اور سلیقہ سے اظہار ہوتا ہے۔ وہ محبوب کی راہوں میں چشمِ انتظار وا کئے بیٹھے ہیں وہ انتظار کے کرب کی لذت سے آشنا ہیں۔ اُن کے ہاں احساس کے تپتے صحرا بھی ہیں اور جذبۂ عشق کی جولانیاں بھی۔ ان کی غزلیات ان کی فکری کاوش کا شاہکار ہیں۔ ان میں خیال آفرینی بھی ہے اور لفظی وصوتی حسن بھی۔ خلوص و محبت کی ایسی چاشنی ہے کہ سُننے والا سر دھنے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

عاجز باروی کی غزلیں جہاں اُن کی کہنہ مشقی اور فنی پختگی کا مظہر ہیں وہیں عشق کے موضوع پر جذبات کی نزاکت، نفاست اور پاکیزگی سے معمور ہیں۔ اس کے علاوہ جب وہ معاشرتی اور ملی مسائل کا ذکر کرتے ہیں تو نہایت اخلاص اور صداقت سے ان کی نشاندہی کرتے ہیں۔

عاجز باروی کا کلام فی الواقع حَسین افکار اور خوبصورت کلمات کا مرقع ہے گو الفاظ سادہ ہیں لیکن ان میں ایسا ربط ہے جیسے ایک خوشنما ہار میں انمول موتی پروئے گئے ہوں۔ لفظی حسن کے ساتھ معنوی حسن بھی کمال ہے اور ~~اپنے رنگ کے~~ کلام حسنِ لفظی وحسنِ معنوی کا حَسین مرقع ہے۔

عاجز باروی کے دو مجموعۂ کلام "فکرِ حَسین" اور "خوشبوئے فکر" شائع ہو کر معروف نقادانِ فنِ شعر و ادب سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

(چھ معروف تبصرہ نگاروں کے تبصروں کے اقتباسات کا امتزاج)

حمد

حمد زیبا ہے اُسی کی جو ہے ربُ العٰلمیں
اور ہیں محبوب جسکے رحمتُ اللعٰلمیں

ہر کس و ناکس اُسی کے سامنے محتاج ہے
سب کا داتا سب کا مولا ہے وہ یکتا بالیقیں

حکم اس کا جاری وساری ہے کائنات میں
اس کا منشاء گر نہ ہو تو برگ ہل سکتا نہیں

ہر صفت اس کی صفت ہے ہر عمل اس کا امر
بس یہی توحید ہے تو دل میں رکھ پختہ یقیں

سِرِّ وحدت آ گیا جس کو سمجھ اُس کے لئے
ہے وہی کون ومکاں میں آپ خود ہی تو مکیں

اوّل وآخر وہی ہے ظاہر وباطن وہی
پھر من وتو کا تصور کس لئے ہے دلنشیں

ماسوا اس کے جو ہے فانی ہے اور معدوم ہے
وہ مقدس ذات ہے موجود عاجزؔ ہر کہیں

راز

قُل ھُو اللہ اَحد کا راز تو

شانِ اللہ الصّمد کا راز تو

سِرِّ لم یَلِد وَلم یُولَد بھی تو

مطلقِ بے حد کی حد کا راز تو

لَم یَکُن لَہٗ کُفُواً کون ہے؟

وصفِ یکتائی اَحد کا راز تو

کیا زبر کیا زیر اور کیا پیش ہے

کل رموزِ شدّ و مد کا راز تو

کہہ گیا عاجزؔ وفورِ شوق میں

عقل کی سب ردّ و کد کا راز تو

قطعہ

صدائے کُن فیکوں کے وہ راز ہائے نہاں
تقیّدات کے پردے میں ہو رہے ہیں عیاں
نگاہِ عشق نے توحید کے مزے لوٹے
تعیّنات کی اُلجھن میں ہے خرد غلطاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

خوشبوئے فکر

قطعہ

مَنفی تخیّلات تو ہَیں ذہن کا فتور
مثبت ہے جِس کی سوچ وہ شاعر ہے باشعور
گُم نام ہو اگرچہ مگر اس کے باوجود
خُوشبُوئے فکر پھیل ہی جاتی ہے دُور دُور

قطعہ

خیالِ خُود نُمائی سے گزُر جا
محبّت بن کے ہر دِل میں اُتر جا
حصارِ ذاتِ خودُ میں بند کیوں ہے
تُو مثلِ بُوئے گُل ہر سُو بکھر جا

محبّت

مہر محمّدؐ عاجزؔ باروی

نہ تھی جس دم کہیں کوئی کِسی عنُوان کی صُورت — محبّت یک بیک اُبھری بَنی انسان کی صُورت
محبّت چار حرفی لفظ ہے قرُآن کی صُورت — دلوں پر حکمراں ہے یہ سَخی سُلطان کی صُورت
محبّت قلبِ انساں میں بنے وِجدان کی صُورت — محبّت ہی تو ہے ایمان کی، الیقان کی صُورت
گُلوں میں جس طرح بستی ہے خُوشبُو جان کی صورت — مرے دل میں مکیں ہے یہ مرے ایمان کی صُورت
محبّت میں فنا ہوکر محبّت آشنا ہو جا — محبّت کی قسم بس ہے یہی عِرفان کی صُورت
نِگہ جس سمت اُٹھے گی نظر آئے گا وَجہُ اللہ — ترے اندر اگر ہوگی کوئی پہچان کی صُورت
محبّت ہی میں بسطامی پُکار اُٹھے تھے سُبحانی — دِکھائی دی جو اپنی شکل میں سُبحان کی صُورت
یہ اعجازِ محبّت تھا اَنا الحق کہنے والے کو — نظر آئی تھی اپنے آپ میں یزدان کی صُورت
نہ ہو آفاق میں گُم تُو حقیقت کو سمجھ ناداں — خُدا پنہاں ہے تجھ میں کر کوئی پہچان کی صُورت
رحیمی اور غفاری محبّت ہی کی شکلیں ہیں — محبّت جوش میں آکر بَنی رحمان کی صُورت
محبّت کیا ہے؟ تُو کیا ہے؟ محبّت کا خدا کیا ہے؟ — یہ نُکتہ گر سمجھنا ہے سمجھ انسان کی صُورت
محبّت اور محمّدؐ کی حقیقت ایک ہی تو ہے — محبّت ذوقِ پنہانی، محمّدؐ شان کی صُورت
نہ اس کی ابتدا کوئی نہ اس کی انتہا کوئی — محبّت اِک حقیقت ہے عدم پایان کی صُورت
محبّت سِرِّ سَر بستہ ہے یہ اُس پر ہی کُھلتا ہے — تصور میں رہے جس کے فقط یزدان کی صُورت
محبّت قلب کی جاں ہے جو جاں ہے قلب قالب کی — یہ تینوں مِل کے بن جاتے ہیں اِک انسان کی صُورت
خُلوص و پیار سے تھا یہ جہانِ رنگ و بُو خالی — محبّت سے بنا یہ اِک حَسیں بُستان کی صُورت
مُسافر بن کے آئے ہیں اُدھر سے ہم اِدھر عاجزؔ — یہاں رہنا ہے بس دو چار دِن مہمان کی صُورت

کلام: ـ مہر محمّدؐ عاجزؔ باروی ساکن قصبہ سناواں تحصیل کوٹ ادو ضلع مظفرگڑھ 0344-7058632

سِرِّ وحدت

مہر محمد عاجز باروی

سوال ہے کہ خدا کہاں ہے؟ وہ ذاتِ مطلق جہاں تہاں ہے
یہ سارے جلوے، یہ سارے منظر نشاں ہیں اُس کے جو بے نشاں ہے

یہاں، وہاں کی یہ قید کیسی؟ وہ قیدِ مکاں سے تو ہے مبرّا
یہاں، وہاں کا، جہاں، کہاں کا خیال باطل فقط گماں ہے

تلاش گر اُس کو کرنا چاہو تو خود کو کر لو تلاش پہلے
حجاب اپنا اُٹھا کے دیکھو حجاب میں تم ہو، وہ عیاں ہے

جو رازِ وحدت سمجھ میں آئے تو دوئی کا نام و نشاں نہ پائے
یہ ذرّہ ذرّہ بتا رہا ہے وہی تو ظاہر ہے جو نہاں ہے

ہر ایک صورت اُسی کی صورت، ہر ایک چہرہ اُسی کا چہرہ
کہ چشمِ بینا نے صاف دیکھا تمام شکلوں میں وہ عیاں ہے

تمام رنگوں میں اُس کی رنگت، تمام پھولوں میں اُس کی خوشبو
وہ خود ہے بلبل وہ خود ہی گُل ہے چمن میں خود ہی وہ باغباں ہے

کسی کو کہتا ہے لَن ترانی، کسی کو کہتا ہے اُدنُ مِنّی
ہے قابَ قوسَینِ او ادنیٰ مقام اُس کا جو رازداں ہے

اُسی نے دیکھے ہیں جلوے اُس کے اُسی نے سمجھی ہے شان اُس کی
خودی کو زندہ کیا ہے جس نے خودی کا اپنی جو پاسباں ہے

مقام کوئی نہیں ہے ایسا جہاں نہ موجود ذاتِ حق ہو
ہر اک جگہ جلوہ گاہ اُس کی، مکاں ہے، عاجزؔ! کہ لامکاں ہے

کلام: مہر محمد عاجز باروی ساکن قصبہ سناواں تحصیل کوٹ ادو ضلع مظفرگڑھ 0344-7058639

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

پردے میں

از قلم مہر محمد عاجز باروی

کُنتُ کنزاً کہنے والا تن تنہا تھا پردے میں
کیفِ عُزلت میں وہ مگن تھا ایک اکیلا پردے میں

اُس نے چاہا اُس کو کوئی جانے بھی پہچانے بھی
اپنے نور کے آئینہ میں جلوہ دیکھا پردے میں

اُس نے خُود ہی خود کو دیکھا خود ہی خود سے پیار کیا
فَاحبَبتُ کا شور مچایا خود ہی تنہا پردے میں

حُب ہوئی تو احدیّت پر وحدت کا یوں رنگ چڑھا
اسم احد میں میم ملا اسم احمد بن گیا پردے میں

وحدت سے پھر کثرت میں آنے کا اُس نے قصد کیا
معدنِ کثرت واحدیّت کا نقشہ کھنچا پردے میں

اوّل لوح و قلم کی صورت میں سب کچھ تحریر کیا
کَانَ وَمَا یکُون کا سارا قصّہ لکھا پردے میں

کون قلم؟ کیا لوح محفوظ؟ اور کس نے لکھا کیا لکھا؟
یہ سب اُس کے راز ہیں جن کو اُس نے رکھا پردے میں

نورِ وحدت کی کرنوں سے کُل عالم تخلیق ہوئے
ہر عالم میں ایک نرالا رنگ جمایا پردے میں

کس کس شان سے کس کس عالم میں جلوہ افروز رہا
جانے کیسی شان میں تھا وہ عالم آراء پردے میں

منزل منزل چلتے چلتے کن کن ناز اداؤں سے
روح، مثال، جسد کے عالم طے کر آیا پردے میں

سب سے آخر سب سے اَحسن قالب انسان بنا کر
شکلِ آدم میں خود کو سجدہ کروایا پردے میں

کون تھے ساجد؟ سجدہ کس کو تھا کس نے انکار کیا؟
کس سے پوچھیں کون بتائے کھیل جو کھیلا پردے میں

عقل و فہم ادراک نہ اب تک اِس عقدے کو کھول سکے
آدم کی صورت میں چھپ کر کون ہے آیا پردے میں

صورت سے دھوکا نہ کھاؤ صورت تو بس پردہ ہے
پردہ کھول کے غور سے دیکھو اندر ہے کیا پردے میں

کنزِ مخفی ڈھونڈنے والو! وہ تو اپنے دل میں ہے
مُرشدِ کامل نے عاجزؔ یہ راز بتایا پردے میں

کلام - مہر محمد عاجز باروی ساکن قصبہ سانوال -

"فکرِ حسینؑ" کے تخلیق کار کی "محبت" کے بعد یہ دوسری شاہکار نظم ہے -

حجابات

مہر محمد عاجز باروی

اے کاش کہ محبوب یہ اِک بات بتا دے ۔ مہجور پہ کب ہونگی عنایات بتا دے
شہ رگ سے قریں ہے وہ نظر کیوں نہیں آتا ۔ محجوب ہے کیوں مجھ سے وجوہات بتا دے
گر مجھ سے جُدا ہے تو مرے سامنے آئے ۔ رہتا ہے کہاں اپنے مقامات بتا دے
کھُل جائے یہ عُقدہ کہ مری کیا ہے حقیقت ۔ میں کون ہوں؟ میں کیا ہوں؟ مری ذات بتا دے
اِس ارض کی پہنائی میں کس کے ہیں یہ جلوے ۔ کس کے لئے قائم ہیں سماوات بتا دے
خلوت میں نہاں کون ہے جلوت میں عیاں کون؟ ۔ کس کے ہیں جہاں میں یہ ظہورات بتا دے
وَالشمس میں وَالّیل میں انوار ہیں کیسے ۔ وَالنّجم کے سب کھول کے حالات بتا دے
اَسراء کے جو اَسرار کا قِصّہ ہے وہ کیا ہے؟ ۔ جس رات کا یہ ذکر ہے وہ رات بتا دے
مخصوص شبِ قدر برستی ہے جو رحمت ۔ کس رنگ میں ہوتی ہے وہ برسات بتا دے
قدرت ہے یا کہ معجزہ یا کوئی کرامت ۔ یا کہ یہ سبھی کچھ ہیں طلسمات بتا دے
سارے یہ مظاہر جو نظر آتے ہیں مجھ کو ۔ کیا ہیں یہ مرے ذہنی توہّمات بتا دے
ہُوں اَنفس و آفاق کے گرداب میں گرداں ۔ کب مجھ سے یہ اُٹھیں گے حجابات بتا دے
لبریز ہوا صبر کا پیمانہ اے عاجز ۔ جائیں نہ چھلک اب مرے جذبات بتا دے

سب سے پہلے

مہر محمد عاجز باروی

کِس نے کِس سے پیار کیا تھا سب سے پہلے ۔ اُلفت کا اقرار کیا تھا سب سے پہلے
تنہائی میں ایک اکیلا کون لُٹا تھا؟ ۔ عِشق نے کس پر وار کیا تھا سب سے پہلے
اِک مخفی مخزن نے کس کے پیار کی خاطر ۔ خود اپنا اِظہار کیا تھا سب سے پہلے
حُکم اَلَستُ بِرَبِّکُم کو سُن کر کس نے ۔ قَالُوا بَلٰی اِقرار کیا تھا سب سے پہلے
عظمتِ آدم کے مُنکر نے کس نخوت سے ۔ سجدے کا اِنکار کیا تھا سب سے پہلے
پیار کی آگ میں کُودنے والا کون تھا جس نے ۔ شعلوں کو گلزار کیا تھا سب سے پہلے
ذات صفات کے مظہر نے خود ذات سے عاجز ۔ دیکھنے کا اصرار کیا تھا سب سے پہلے

از رشحاتِ قلم مہر محمد عاجز باروی ساکن قصبہ سناواں تحصیل کوٹ ادو
ضلع مظفر گڑھ 0344-7058632

باتیں کریں

مہر محمد عاجز باروی

اپنے آقا مونس و غمخوار کی باتیں کریں — رحمت اللعالمین سرکار کی باتیں کریں
اُس ظہورِ اوّلیں محبوبِ ربّ العٰلمین — نورٌ علیٰ نور کے اظہار کی باتیں کریں
جس منوّر پیکرِ الطف کا سایہ ہی نہ تھا — اُس مجسّم نور کے انوار کی باتیں کریں
ناز ہے خالق کو اپنی جس حسین تخلیق پر — ہم بھی خالق کے اُسی شہکار کی باتیں کریں
پڑھ رہا ہے خود خدا بھی رات دن جس پر درود — آؤ ہم بھی اُس شہِ ابرار کی باتیں کریں
جس کے خُلقِ پاک کو قرآں کہے خُلقِ عظیم — اُس کے حُسنِ خُلق اور کردار کی باتیں کریں
ہم گنہگاروں پہ لازم ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے — سب شفیعُ المذنبیں سرکار کی باتیں کریں
ہاتھ جس کے ہیں یدُ اللہ اور وجہُ اللہ منہ — اُس کے سیماء و لب و رخسار کی باتیں کریں
لب پہ ہو عاجزؔ فقط نعتِ محمّد مصطفےٰ! — بس! رسولِ ہاشمی کے پیار کی باتیں کریں

بہتّر ورق

پیامِ محبّت بہتّر ورق ہیں۔ کتابِ شرافت بہتّر ورق ہیں
اُخوّت، مروّت، اِرادت، عقیدت۔ طریقت، حقیقت بہتّر ورق ہیں
جمالِ ہدایت، خصالِ صداقت۔ کمالِ عبادت بہتّر ورق ہیں
جِلا جس سے پائی ہے ٹوٹے دلوں نے۔ وہ تنویرِ اُلفت بہتّر ورق ہیں
کریں ان کی تقلید واجب ہے ہم پر۔ اِمامِ قیادت بہتّر ورق ہیں
جو صبر و رضا کے مکمل ہیں پیکر۔ وہ آل اور عترت بہتّر ورق ہیں
اَقیموا الصّلوٰۃ کی تفسیر دیکھو۔ سراپا اَقامت بہتّر ورق ہیں
جو نازل ہوئے کربلا کی زمیں پر۔ ہماری تلاوت بہتّر ورق ہیں
ثناخواں ہوں اُن کا یہ کافی ہے عاجزؔ!۔ کہ میری سعادت بہتّر ورق ہیں

کلام:۔ مہر محمّد عاجزؔ باروی ساکن قصبہ سناواں تحصیل کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ

0344-7058632

آقا حسینؓ

سرفروشی جاں نثاری کی ادا آقا حسینؓ

کاروانِ عاشقاں رارہنما آقا حسینؓ

روشنی پھیلا گیا کونین میں ان کا لہو

چارسو بکھرا گئے رنگیں ضیاء آقا حسینؓ

آندھیاں ظلم وستم کی کیا بجھائیں گی اسے

کر گئے روشن جو اک شمعِ وفا آقا حسینؓ

قوتِ ابلیس کے آگے نہ ہرگز وہ جھکے

عظمتِ انسانیت کی ہیں اَنا آقا حسینؓ

حاکمِ جابر کے آگے کلمۂ حق کہہ گئے

دردمندوں بےنواؤں کی نوا آقا حسینؓ

صبر کی منزل سے گذرے اور اف تک بھی نہ کی

تھے مجسم سرتاپا صبرورضا آقا حسینؓ

کون ہے جس نے تہِ خنجر کیا سجدہ ادا

وہ عبادت کی نہایت انتہا آقا حسینؓ

راکبِ دوشِ پیمبر راکبِ نوکِ سناں
اوج پر ہر حال میں تھے برملا آقا حسینؓ
نام ان کا لے کے دل کو ہوتا ہے کتنا سکوں
میرے ہر غم کی تو عاجزؔ ہیں دوا آقا حسینؓ

قطعہ

مصلحت بینی کے فوراً دے بجھا سارے چراغ
عشق سے لبریز کر لے اپنے دل کا تو ایاغ
اس کے اندر جھانکتا رہ پھر کہ آخر ایک روز
مل ہی جائے گا تجھے عاجزؔ حقیقت کا سراغ

سلام

مہر محمد عاجز باروی

کلام مہر محمد عاجز باروی ساکن قصبہ سنالواں تحصیل کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ پاکستان

1 رحمتُ اللعالمین سرکار پر لاکھوں سلام
خالقِ کونین کے شہکار پر لاکھوں سلام

2 وہ ظہورِ اوّلین محبوبِ ربُّ العالمین
نورٌ علیٰ نور کے اظہار پر لاکھوں سلام

3 ہاتھ جن کے ہیں یدُ اللہ اور وجہُ اللہ منہ
اُن کے سیماء و لب و رخسار پر لاکھوں سلام

4 وَالضُّحیٰ وَاللّیل کے القاب ہیں جن کے لئے
روئے انور گیسوئے خمدار پر لاکھوں سلام

5 میٹھی میٹھی پیاری پیاری دل لُبھاتی گفتگو
پھول برساتی ہوئی گفتار پر لاکھوں سلام

6 سارا قرآں پاک ہے تفسیرِ اخلاقِ عظیم
بے نظیر و بے مثال اطوار پر لاکھوں سلام

7 قربتیں اتنی بڑھیں کہ فاصلے سب مٹ گئے
قابَ قوسین او ادنیٰ پیار پر لاکھوں سلام

8 خانہ کعبہ، حجرِ اسود، کوہِ مروہ اور صفا
عظمتوں کے یادگار آثار پر لاکھوں سلام

9 جبلِ رحمت، جبلِ نور و غارِ ثور و کوہِ اُحد
پاک نسبت والے ان کہسار پر لاکھوں سلام

10 جس مبارک غار میں قرآن اُترا پہلی بار
اُس مبارک شان والے غار پر لاکھوں سلام

11 خود خدا قسمیں اٹھائے جس مقدس شہر کی
اس کے پیارے کوچہ و بازار پر لاکھوں سلام

12 ہو نہیں سکتی بیاں توصیف روضہ پاک کی
سبز گنبد جالی و مینار پر لاکھوں سلام

13 رات دن انوار کی بارش برستی ہے وہاں
اس برستی بارشِ انوار پر لاکھوں سلام

14 جملہ اصحابِ نبی و جملہ عشاقِ رسول
اولیاء اللہ سب ابرار پر لاکھوں سلام

15 یارِ غار و عمر و عثمان و علی المرتضیٰ
جانشینانِ نبی مختار پر لاکھوں سلام

16 اُمہاتُ المومنین و اہلِ بیت و پنجتن
آلِ اطہر عترتِ اطہار پر لاکھوں سلام

17 شاہِ مرداں شیرِ یزداں صاحبِ سیفِ نبی
فاتحِ خیبر حیدرِ کرّار پر لاکھوں سلام

18 پیکرِ صبر و رضا حضرت حسین ابنِ علی
قافلۂ عشق کے سالار پر لاکھوں سلام

19 سلسلہ سادات کا قائم رہا جس ذات سے
اس مسافر عابدِ بیمار پر لاکھوں سلام

20 ہے محبت کا تقاضا رات دن پڑھتے رہیں
اپنے آقا مونس و غمخوار پر لاکھوں سلام

21 ربِّ اکبر اور فرشتے بھی تو پڑھتے ہیں درود
ہم بھی عاجز سب پڑھیں سرکار پر لاکھوں سلام

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہ

اِسم اَللّٰہ سے شروع جو کار ہے
اِن شاء اَللّٰہ سمجھو بیڑا پار ہے

درحقیقت حمد سب اَللّٰہ کی ہے
سب جہانوں کا جو پالن ہار ہے

مہرباں بس مہرباں اُس کا لقب
بدلے کے دن کا وہ کُل مختار ہے

کرتے ہیں یا رب عبادت ہم تری
اور مدد تیری ہمیں درکار ہے

راہ سیدھی پر ہمیں کر گامزن
راہ وہ جو کہ رہِ ابرار ہے

راہِ مغضوب اور ضالیں سے بچا
توبہ استغفار سَو سَو بار ہے

ہو دُعا مقبول عاجزؔ کی مُجیب
بخش دے ہم کو کہ تو غفار ہے

نعت شریف

نعت لکھتے لکھتے میری زندگی گزرے تمام
ہو دمِ آخر لبوں پر اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلام

محوِ فکرِ نعت ہی میں بس رہوں میں رات دن
اور نعتِ مصطفٰے ہی ہو زباں پر صبح و شام

''اِقْرَا بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ'' اَللّٰہ نے
بھیجا تھا غارِ حرا میں پیار کا پہلا پیام

گفتگو کرتا تھا پردے میں کلیمِ اَللّٰہ سے جو
سامنے آکر ہوا مَحبُوب سے وہ ہم کلام

ہیں سراپا رحمتِ حق رَحمتُ الّلعٰلَمِیں
آپ ہی کے دم قدم سے چل رہا ہے سب نظام

کیوں کسی کے در پہ جائیں ہم شفاعت کے لئے
جبکہ آقا ہیں شفیع المذنبینِ خاص و عام

آپ کے اوصاف کیسے کر سکے عاجز رقم
آپ کے اوصاف کی حد ہی نہیں، خیر الانام!

نعت شریف

اپنے من کے غار میں محبوب جب آجائیں گے
تو وہاں جبریل بھی قرآن لے کر آئیں گے

ہم گنہگاروں کے آقا ہیں شفیع المذنبیں
قبر میں بھی حشر میں بھی وہ ہمیں چھڑوائیں گے

رَحمتُ اللّلعٰلَمِیں جن کو کہا رحمان نے
وہ ہمارے ساتھ ہوں گے ہم نہیں گھبرائیں گے

اس لئے گاتے ہیں اُن کی عظمتوں کے گیت ہم
روزِ محشر عاصیوں کے اِک وہی کام آئیں گے

پُرسشِ اعمال ہوگی حشر میں عاجز تو ہم
داورِ محشر کو بس نعتیں سُناتے جائیں گے

صَلُّوا وَسَلِّمُوا

صَلُّوا وَ سَلِّمُوا کو سمجھ غور ذرا کر
اِس حکمِ خُداوند کی تعمیل کیا کر

کس شان سے پڑھتے ہیں صَلوٰۃ عرش پہ عرشی
قرآں میں یُصَلُّونَ عَلَی النَّبی پڑھا کر

یہ صوم و صَلوٰۃ اہم فرائض ہیں یقیناً
بروقت بصد شوق ضرور ان کو ادا کر

پڑھ خوب محبّت سے درود اپنے نبی پر
افضل یہ عبادت ہے تو دن رات کیا کر

اَللّٰہ و مَلائک کا وظیفہ بھی یہی ہے
ہر وقت وہ پڑھتے ہیں اسے تو بھی پڑھا کر

محبوب عطا کر کے خدا پاک نے اپنا
اِحسان جَتایا ہے کہ شکر اُس کا ادا کر

عاجزؔ! یہ پیام اہلِ محبّت کے لئے ہے
مخصوص ہے فرمان سلام اُن پہ پڑھا کر

قطعہ

مَنفی تخیّلات تو ہیں ذہن کا فتور
مُثبت ہے جس کی سوچ وہ شاعر ہے باشعور
گُم نام ہو اگرچہ مگر اس کے باوجود
خُوشبُوئے فِکر پھیل ہی جاتی ہے دُور دُور

پیار کی باتیں کریں

اپنے آقا مُونِس و غمخوار کی باتیں کریں
رحمتُ الِلّعٰلَمِیں سرکار کی باتیں کریں

اُس ظُہورِ اوّلیں محبُوبِ رَبُّ العٰلَمِیں
نُورٌ علیٰ نُور کے اِظہار کی باتیں کریں

جِس مُنوّر پیکرِ اَلطف کا سایہ ہی نہ تھا
اُس مُجسّم نُور کے اَنوار کی باتیں کریں

ناز ہے خالق کو اپنی جس حَسِیں تخلیق پر
ہم بھی خالق کے اُسی شہکار کی باتیں کریں

پڑھ رہا ہے خُود خُدا بھی رات دن جس پر درود
آؤ ہم بھی اُس شہِ ابرار کی باتیں کریں

جس کے خُلقِ پاک کو قرآن کہے خُلقِ عظیم
اُس کے حُسنِ خُلق اور کردار کی باتیں کریں

ہم گنہگاروں پہ لازم ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے
سب شفیعُ المذنبیں سرکار کی باتیں کریں

ہاتھ جس کے ہیں یدُاللہ اور وَجہُ اللہ مُنہ
اُس کے سیماء و لَب و رُخسار کی باتیں کریں

لَب پہ ہو عاجزؔ فقط نعتِ محمّد مُصطفیٰ
بس! رسولِ ہاشمی کے پیار کی باتیں کریں

پردے میں

کُنتُ کَنزاً کہنے والا تن تنہا تھا پردے میں
کیفِ عُزلت میں وہ مگن تھا ایک اکیلا پردے میں

اُس نے چاہا اُس کو کوئی جانے بھی پہچانے بھی
اپنے نور کے آئینے میں جلوہ دیکھا پردے میں

اُس نے خُود ہی خُود کو دیکھا خُود ہی خُود سے پیار کیا
فاَحبَبتُ کا شور مچایا خُود ہی تنہا پردے میں

حُب ہُوئی تو احدیّت پر وحدت کا یوں رنگ چڑھا
اسم احد میں میم مِلا اسم احمد بن گیا پردے میں

وحدت سے پھر کثرت میں آنے کا اُس نے قصد کیا
معدنِ کثرت واحدیّت کا نقشہ کھینچا پردے میں

اول لوح و قلم کی صورت میں سب کچھ تحریر کیا
کَانَ وَمَا یکُون کا سارا قصہ لکھا پردے میں

کون قلم؟ کیا لوح محفوظ؟ اور کس نے لِکھا؟ کیا لِکھا؟
یہ سب اُس کے راز ہیں جن کو اُس نے رکھا پردے میں

نورِ وحدت کی کِرنوں سے کُل عالم تخلیق ہوئے
ہر عالَم میں ایک نرالا رنگ جمایا پردے میں

کِس کِس شان سے کِس کِس عالَم میں جلوہ افروز رہا
جانے کیسی شان میں تھا وہ عالَم آرا پردے میں

منزل منزل چلتے چلتے کِن کِن ناز اداؤں سے
روح، مثال، جسد کے عالَم طے کر آیا پردے میں

سب سے آخر سب سے اَحسن قالبِ انسان بنا کر
شکلِ آدم میں خُود کو سجدہ کروایا پردے میں

کون تھے ساجد؟ سجدہ کس کو تھا؟ کس نے انکار کیا؟
کِس سے پوچھیں کون بتائے کھیل جو کھیلا پردے میں

عقل وفہم اِدراک نہ اَب تک اِس عُقدے کو کھول سکے
آدم کی صورت میں چھپ کر کون ہے آیا پردے میں

صورت سے دھوکا نہ کھاؤ صورت تو بس پردہ ہے
پردہ کھول کے غور سے دیکھو اندر ہے کیا پردے میں

کنزِ مخفی ڈھونڈنے والو! وہ تو اپنے دل میں ہے
مُرشدِ کامل نے عاجزؔ! یہ راز بتایا پردے میں

یاد ہے

سرورِ کونین کا تشریف لانا یاد ہے
نُور کا شکلِ بشر میں چُھپ کے آنا یاد ہے

مرحلہ در مرحلہ نُوری سفر کرتے ہوئے
خلوتوں سے جلوتوں کی سَمت آنا یاد ہے

آتے ہی فِی الفور سَر سجدے میں رکھنا اور پھر
بخششِ اُمّت کی خاطر لَب ہلانا یاد ہے

چھٹ گئے ظلمات کے بادل اُجالا ہو گیا
نورِ وحدت کا جہاں میں پھیل جانا یاد ہے

ہر جگہ غارت گری کا گرم تھا بازار جب
اپنے حُسنِ خُلق کی مشعل جلانا یاد ہے

بیٹھنا چپ چاپ جا کر غارِ جبلِ نُور میں
خلوتِ پُرکیف کا منظر سہانا یاد ہے

آپ کی خدمت میں آکر حضرتِ جبریل کا
اِقراء بِاسمِ رَبِّکَ الَّذی سُنانا یاد ہے

پھر سرِ فاراں بُلا کر اپنی ساری قوم کو
سب سے پہلے حیثیت اپنی جتانا یاد ہے

ایک **اللہ** ہے فقط معبود، فرما کر اُنھیں
لاَ اِلٰہ توحید کا نکتہ بتانا یاد ہے

شرک کی تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں چار سُو
تیرگی میں شمعِ وحدت کا جلانا یاد ہے

وقتِ تبلیغِ رسالت ہاتھ میں بُوجہل کے
کنکروں کو کلمۂ طیب پڑھانا یاد ہے

حضرتِ شیرِ خدا کو آپ کا ہجرت کی شب
تنہا بستر پر نبوت کے سُلانا یاد ہے

ہمدمِ صدیق کو گھر سے بلانا اور پھر
پیکرِ صدق و صفا کا ساتھ جانا یاد ہے

ایک مُشتِ خاک کا کفار پر وہ پھینکنا
مَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ کا نشانہ یاد ہے

تھا دکھوں کا گھر وہ پہلے کہتے تھے یثرب جسے
اُس مدینہ کو شِفا کا گھر بنانا یاد ہے

عرش پر بُلوایا جانا فرش سے محبوب کو
اور جبرائیل کا بُرّاق لانا یاد ہے

قُربتوں کا قربتوں میں محو ہونے کا سماں
قابَ قوسَین اَو اَدنیٰ کا زمانہ یاد ہے

واپسی پر میزباں سے اپنی اُمت کے لئے
تحفہ اک صوم و صلوٰہ کا لے کے آنا یاد ہے

میں کہاں عاجز پہنچ سکتا تھا کوئے یار تک
مہرباں کا مہر کو در پر بُلانا یاد ہے

بَہتّر ورق

پیامِ محبت بہتّر ورق ہیں
کتابِ شرافت بہتّر ورق ہیں

اُخوّت، مروّت، ارادت، عقیدت
طریقت، حقیقت بہتّر ورق ہیں

جمالِ ہدایت، خصالِ صداقت
کمالِ عبادت بہتّر ورق ہیں

جِلا جس سے پائی ہے ٹوٹے دلوں نے
وہ تنویرِ الفت بہتّر ورق ہیں

کریں اُن کی تقلید واجب ہے ہم پر
امامِ قیادت بہتّر ورق ہیں

جو صبر و رضا کے مکمّل ہیں پیکر
وہ آل اور عترت بہتّر ورق ہیں

اَقِیمُو الصّلوٰۃُ کی تفسیر دیکھو
سراپا اقامت بہتّر ورق ہیں

جو نازل ہوئے کربلا کی زمیں پر
ہماری تلاوت بہتّر ورق ہیں

ثنا خواں ہوں اُن کا یہ کافی ہے عاجزؔ!
کہ میری شفاعت بہتّر ورق ہیں

مُرشدِ کامل

ملا اک مُرشدِ کامل ہمیشہ کے لئے مجھ کو
دِکھائی جس نے حق منزل ہمیشہ کے لئے مجھ کو

طریقت کے، حقیقت کے معارف میں وُہ یکتا ہے
شریعت کا ملا عامل ہمیشہ کے لئے مجھ کو

تھپیڑے کھا رہا تھا جب میں امواجِ حوادث کے
اچانک مِل گیا ساحل ہمیشہ کے لئے مجھ کو

نہیں اندمال زخموں کا کیا کچھ اس طرح اُس نے
نظر کے تیر سے گھائل ہمیشہ کے لئے مجھ کو

نگاہِ مردِ کامل نے کیا ایسا اثر مجھ پر
کہ اُس نے کرلیا قائل ہمیشہ کے لئے مجھ کو

پکڑ کر ہاتھ ہاتھوں میں مرا پیرِ طریقت نے
مُریدوں میں کیا شامل ہمیشہ کے لئے مجھ کو

اِکائی کا سبق دے کر مٹایا دُوئی کا جھگڑا
کیا توحید میں شاغل ہمیشہ کے لئے مجھ کو

نہ سمجھا غیر کوئی بھی کدورت ڈُھل گئی دل سے
خلوص اب مل گیا کامل ہمیشہ کے لئے مجھ کو

مری آنکھوں کے رستے وہ گیا دل میں اُتر عاجزؔ
سکونِ دل ہوا حاصل ہمیشہ کے لئے مجھ کو

بندہ

مِہر و اُلفت کا باب ہے بندہ
عشقِ عالی جناب ہے بندہ

عشق کا یہ حسین پیکر ہے
حُسن کا انتخاب ہے بندہ

ہے یہ شہکار اپنے خالق کا
اس لئے لاجواب ہے بندہ

بندہ مسجود ہے ملائِک کا
کتنا عزت مآب ہے بندہ

اس کا کوئی کہیں جواب نہیں
آپ اپنا جواب ہے بندہ

گو بظاہر ہے خاک کا پُتلا
اصل میں بُوتُراب ہے بندہ

در حقیقت یہ اک حقیقت ہے
کون کہتا ہے خواب ہے بندہ

زندگی کی بہار کا موجب
زندگی کا شباب ہے بندہ

جو بھی دیکھے وہی پڑھے اس کو
خوبصورت کتاب ہے بندہ

خود شناسی، خدا شناسی کا
اک مکمّل نصاب ہے بندہ

حُسن کی بارگاہ میں عاجؔز
کس قدر باریاب ہے بندہ

ردیف "مُسافر"

یہاں آیا ہے تُو بن کر مُسافر
نہیں یہ دُنیا تیرا گھر مُسافر

چمکتا دیکھ کر پتھر مُسافر
نہ چُھو اِس کو یہ ہے اخگر مُسافر

محبّت کر خُدا و مُصطفٰی سے
سکوں تُو چاہتا ہے گر مُسافر

چلا جا جانبِ طَیبہ چلا جا
نِگوں کر کے تُو اپنا سَر مُسافر

مدینے جا کے پھر واپس نہ آنا
لگا لینا وہیں بستر مُسافر

پڑا رہنا نبی کے آستاں پر
نہ چُھوٹے ایک پل وہ در مُسافر

وہاں بگڑی سنور جائے گی عاجزؔ
رہا ہو کر مؤدب گر مُسافر

طرح پہ گرہ

سبب بخشش کا بن جائے گا عاجزؔ
"مری آنکھوں سے جو قطرہ گرا ہے"

....

بھری برسات کا ہے پیشِ خیمہ
"مری آنکھوں سے جو قطرہ گرا ہے"

بنتِ حوّا کے نام

ایک دوشیزہ کے نام جو رات کی تاریکی میں اپنے گھر اور اپنی چھوٹی بہن کو آگ میں جلا کر اپنے آشنا کے ساتھ فرار ہوگئی تھی

سوال

بنتِ حوّا پوچھتے ہیں لوگ تجھ سے ایک بات
دل میں کیا ٹھانی تھی تو نے آئی جب تاریک رات

جستجو کس کی تھی تجھ کو کیا تھی تیری آرزو؟
خاک میں کیونکر ملائی خانداں کی آبرو؟

کس نے بہکایا تجھے، کس کے کہے میں آ گئی؟
کس نے یہ جھانسا دیا تو کس سے دھوکا کھا گئی؟

پگلی تو نے کرلیا رُسوائیوں کو بھی قبول
ماں کے سر میں خاک ڈالی باپ کی ڈاڑھی میں دھول

روپ اک ڈاکو کا تو نے کس لئے دھارا بتا؟
تو نے شبخوں اپنے گھر میں کس لئے مارا بتا؟

زیور و زر لُوٹ کر کیوں گھر کو ویراں کر گئی
کیا خطا ان کی تھی تو جن کو پریشاں کر گئی

جس نشیمن میں کُھلی تھیں تیری آنکھیں بے بصر
جس نشیمن میں نکالے تو نے اپنے بال و پر

بن کے بجلی اُس نشیمن کے لئے کڑکی ہے تو
شعلہ بن کر اپنے ہی گھر کے لئے بھڑکی ہے تو۔

تیری یہ ناپاک حرکت کر گئی دنیا کو دنگ
کس لئے تو نے لٹائی ہے متاعِ نام و ننگ

جرم یہ کرنے سے پہلے کیا کیا تھا غور بھی
کہ ترے نقشِ قدم پر اب چلیں گی اور بھی

اپنی بہنوں کو نئی اک راہ تو دکھلا گئی
رات کی تاریکیوں میں بھاگنا سکھلا گئی

رشک آتا ہے جہاں کو جس کے پاک اطوار پر
بدنما دھبا ہے تو اس قوم کے کردار پر

جوابِ بنتِ حوا

ہوں سراسر بے خطا میں غور کچھ کیجیے جناب
مُنہ چڑا کر یوں دیا اُس شوخ نے سب کو جواب

یہ نتیجہ ہے فقط افرنگ کی تعلیم کا
بے حیا بے غیرت و بے ننگ کی تعلیم کا

غزل

سراپا عجز عاجز ہوں میں عبدِ ناتواں تیرا
مگر اے بے نشاں میں ہی تو ہوں ظاہر نشاں تیرا

کسے معلوم تیرا اور میرا کیا تعلّق ہے
میں تیرا راز بھی ہوں اور میں ہی رازداں تیرا

حجابوں میں جو تھا محجوب جانے کتنی مدت سے
محبّت نے وہ کر ڈالا عیاں، کنزِ نہاں تیرا

اگر وہ سجدہ کر لیتا نہ وہ مَلعُون کہلاتا
تو پھر یہ معرکۂ خیر و شر ہوتا کہاں تیرا

اُسی کو ڈھیل دی تو نے کہ کُھل کھیلے قیامت تک
کہا جس نے نہیں مانا اے رَبِّ انس و جاں تیرا

نہ کھاتا دانۂ گندم نہ جنت سے نکلتا میں
تو ہوتا کس طرح آباد پھر یہ خاک داں تیرا

نکل جا ایں و آں کے فلسفے کی قید سے عاجزؔ
مکان و لامکاں سے بھی ہے آگے اک جہاں تیرا

ایک شعر

کاغذوں کی کشتیوں میں بیٹھ کر
آگ کے دریاؤں سے گزرے ہیں ہم

غزل

خود کو نہ ڈھونڈا اور خدا ڈھونڈتا رہا
ناداں! خدا کو خود سے جدا ڈھونڈتا رہا

منزل سے بدنصیب رہا دُور عمر بھر
جو رہنما میں عیب و خطا ڈھونڈتا رہا

جس نے تمام عمر نہ مانگی کبھی دعا
محشر میں کس دعا کی جزا ڈھونڈتا رہا

کس عزم و حوصلے سے نواسہ رسول کا
کربل میں جا کے کرب و بلا ڈھونڈتا رہا

اہلِ جفا کے شہر میں یہ جانتے ہوئے
کہ لوگ بے وفا ہیں وفا ڈھونڈتا رہا

جس شخص سے بھی ساتھ نبھانے کی بات کی
اس جرم کی وہ شخص سزا ڈھونڈتا رہا

کس حُسنِ اعتقاد سے بیمارِ خستہ حال
محبوب کی گلی میں شِفا ڈھونڈتا رہا

میں نے جہان چھوڑ دیا جس کے واسطے
ہر موڑ پر وہ یار نیا ڈھونڈتا رہا

عاجزؔ! کہیں خلوص کا تو نام تک نہیں
میں شہر شہر پھرتا رہا ڈھونڈتا رہا

غزل

جب خیالِ خود نمائی ناگہاں پیدا ہوا
ساتھ ہی دُوئی کا بودا سا گُماں پیدا ہوا

آشیاں تیرا کہاں تھا تو کہاں پیدا ہوا
طائرِ لاہُوت زیرِ آسماں پیدا ہوا

معترض سمجھے نہیں تھے تیری پیدائش کا راز
تو خدائے لم یزل کا رازداں پیدا ہوا

باعثِ تخلیقِ کائنات ہے ہستی تری
تُو ہوا پیدا تو یہ سارا جہاں پیدا ہوا

باغباں! یہ حکمتِ عملی وَراءُ الفہم ہے
خار کیوں پیدا ہوئے جب گلستاں پیدا ہوا

آرزوئے وصل تو اُس کو ہو جو مہجور ہو
فاصلہ کب تیرے اُس کے درمیاں پیدا ہوا

تو نہیں معدوم عاجز تجھ میں وہ موجود ہے
کیوں ترے دل میں نہ ہونے کا گُماں پیدا ہوا

قطعہ

خیالِ خُود نُمائی سے گزر جا
محبّت بن کے ہر دل میں اُتر جا

....

حصارِ ذاتِ خود میں بند کیوں ہے
تُو مثلِ بُوئے گُل ہر سُو بکھر جا

غزل

پڑ گئی پاؤں میں تو زنجیر کیا؟
زندگی! اب ہم کریں تدبیر کیا؟

اک تسلسُل سے مُسلسل گھومنا
رات دن کی ہے یہی تقدیر کیا؟

جاگتی آنکھوں سے جو ہوں دیکھتا
ان مرے خوابوں کی ہے تعبیر کیا؟

کہتے ہیں تیری کوئی صورت نہیں
پھر بتا کھینچوں تری تصویر کیا؟

سَرد آہیں بھر رہا ہوں رات دن
عشق میں کچھ کم ہے یہ تعزیر کیا؟

آبلہ پا، چاک داماں، خستہ حال!
ڈھونڈتے پھرتے ہیں کوئی ہیر کیا؟

عمر تو تخریب کاری میں کٹی!
اب کرو گے تم کوئی تعمیر کیا؟

آگئے مقتل میں ہم تو سربکف
تم بھی لے کر آئے ہو شمشیر کیا؟

کیوں کھنچے رہتے ہو عاجزؔ سے حضور
کچھ تو بتلاؤ کہ ہے تقصیر کیا؟

غزل

جو آگ بھڑکتی رہتی تھی اب اُس نے بھڑکنا چھوڑ دیا
دن رات میں تڑپا کرتا تھا میں نے بھی تڑپنا چھوڑ دیا

اک پھانس لگی تھی سینے میں ہر وقت وہ رڑکا کرتی تھی
معلوم نہیں کیوں آج اس نے سینے میں رڑکنا چھوڑ دیا

سب آرزوئیں دَم توڑ چکیں اور جذبۂ شوق بھی ختم ہوا
اس واسطے پہلو میں میرے دل نے بھی دھڑکنا چھوڑ دیا

شاداب تھا میرا گلشن تو ہر روز کڑکتی تھی بجلی!
جب راکھ ہوا جل کر گلشن بجلی نے کڑکنا چھوڑ دیا

چپ چاپ پڑا ہے پنجرے میں مجروح ذرا پھڑکا بھی نہیں
صیّاد کے گھر میں آتے ہی پنچھی نے پھڑکنا چھوڑ دیا

کھڑکی میں وہ آیا کرتے تھے تو کھڑکی کھڑکا کرتی تھی
موقوف ہوئی آمد اُن کی کھڑکی نے کھڑکنا چھوڑ دیا

تنہا تھا لحد میں خوف زدہ اور تھر تھر کانپ رہا تھا وہ
محبوب وہاں جب آئے نظر عاجزؔ نے تھڑکنا چھوڑ دیا

غزل

جو بے بصر ہے اُس کو میں بھی بے بصر لگا
اہلِ نظر نے دیکھا تو اہلِ نظر لگا

تمثیلِ آئینہ ہوں مجھے دیکھ کر اے دوست
تیرا ہی عکسِ خام تجھے خام تر لگا

اے کاش کرتے غور مرے فن پہ وہ ذرا
جن بے ہُنر حُسود کو میں بے ہُنر لگا

معتوب ہو کے آیا جب اس سرزمین پر
میں ساکنانِ ارض کو بے بال و پر لگا

مردہ زمیں کو دیکھ کر تھرّا کے رہ گیا
مجھ کو یہ خطۂ زمیں بیوہ کا گھر لگا

بیٹھا ہوں کب سے آس لگائے ہوئے عبث
نخلِ اُمید پر نہ ابھی تک ثمر لگا

خود ہی میں خود جو گم ہے وہ کس کی تلاش میں
بے سود مارا مارا پھرنے در بدر لگا

صیّادِ خوش عذار سے مانوس جب ہوا
پھر تیر جو لگا مجھے وہ بے اثر لگا

عاجزؔ قصور وار ہوں اس واسطے مجھے
محفل میں ان کے سامنے آنے سے ڈر لگا

غزل

جب ترا غم گلے لگاؤں گا
غم زمانے کے بھول جاؤں گا

داغہائے جگر دکھاؤں گا
حالِ فرقت تجھے سناؤں گا

بارِ عصیاں اُٹھا کے لاؤں گا
تیری رحمت کو آزماؤں گا

دیکھ لینا کہ خرمنِ اعدا
برق بن کر کبھی جلاؤں گا

دل کی مشعل جلا کے اے عاجزؔ
اپنی قسمت کو ڈھونڈ لاؤں گا

غزل

دل کو تڑپائے گا غم تمھارا
اب نہ جانا یہاں سے خدارا

چھین لے نہ زمانہ ترا غم
ہے یہی آخری اک سہارا

جب سے تم نے دیا داغِ فرقت
چین دل کو نہیں ہے گوارا

کب ملے گا وہ جانِ تمنا
سارے عالم کو تو چھان مارا

لوگ کہتے ہیں بن ناخدا کے
ملنا مشکل ہے یارو کنارا

خود بخود چل کے آئے گی منزل
کر لو گر تم سفر کچھ گوارا

چاند ٹکڑے ہوا آسماں پر
جب کیا اُس حسیں نے اشارا

دل کی دھڑکن مچلنے لگی ہے
مجھ کو شاید کسی نے پکارا

دل لگا کر کسی سے جہاں میں
ہو گا مشکل اے عاجزؔ گزارا

غزل

گلعذاروں نے ساتھ چھوڑ دیا
ماہ پاروں نے ساتھ چھوڑ دیا

وائے قسمت کہ غم کے ماروں کا
غمگساروں نے ساتھ چھوڑ دیا

رات تاریک ہو گئی اپنی!
چاند تاروں نے ساتھ چھوڑ دیا

پھر تصادم ہُوا خزاؤں سے
پھر بہاروں نے ساتھ چھوڑ دیا

جن شراروں میں جل رہا تھا میں
اُن شراروں نے ساتھ چھوڑ دیا

وحشتیں حد سے بڑھ گئیں دل کی
ریگزاروں نے ساتھ چھوڑ دیا

رات بھر تو وہ میرے ساتھ چلے
صبح تاروں نے ساتھ چھوڑ دیا

غم کا درماں نہ ہو سکا اُن سے
جاں نثاروں نے ساتھ چھوڑ دیا

رفتہ رفتہ غریب عاجزؔ کا
سب سہاروں نے ساتھ چھوڑ دیا

غزل

ستم ظریف ستم کے نشان چھوڑ گیا
''نہ جانے کس لئے تیر و کمان چھوڑ گیا''

ترے پڑوس میں رہتا تھا تجھ سے تنگ آ کر
غریب شخص بے چارہ مکان چھوڑ گیا

بہت بلند فضا میں اڑان تھی تیری
کیوں اڑتے اڑتے اچانک اڑان چھوڑ گیا

چمک رہا تھا مقدر ترے کا جو تارا
وہ آج ٹوٹ گیا آسمان چھوڑ گیا

سمجھ سکا نہ تری بات کوئی بھی عاجؔز
بیان کر کے تو اپنا گمان چھوڑ گیا

غزل

جس پہ میں مرتا رہا وہ زندگی دیتا رہا
میرے ہر ہر سانس کو وہ تازگی دیتا رہا

چاند تھا یا چاند سا چہرہ تھا کوئی روبرو
رات بھر جو ٹھنڈی روشنی دیتا رہا

باوفا تھا اور قدرے سخت دل بھی تھا صنم
عادتاً دانستہ دل کو بے کلی دیتا رہا

جب بچھڑ کر جا رہا تھا رو رہا تھا جانے کیوں
ساتھ جب رہتا تھا وہ افسردگی دیتا رہا

وقتِ مردن کردیا سیراب ساقی نے مجھے
عمر بھر عاجؔز وہ کیوں تشنہ لبی دیتا رہا

غزل

آنکھیں ہوئیں جب چار صنم تم نے کہا تھا
کر لیں کوئی اقرار صنم تم نے کہا تھا

ساون کا مہینہ ہے یہ رنگین فضا ہے
موسم ہے مزے دار صنم تم نے کہا تھا

ہم تم ہیں جواں اور حسیں رُت ہے مُیسر
آؤ! کہ کریں پیار صنم تم نے کہا تھا

ضائع نہ کرو وقت کے یہ قیمتی لمحے
پچتاؤ گے پھر یار صنم تم نے کہا تھا

لو! آج سے یہ جان ہے بس نام تمھارے
جذبات میں سو بار صنم تم نے کہا تھا

کیا بات ہے چُپ چاپ ہو کس سوچ میں گم ہو
کچھ تو کرو اظہار صنم تم نے کہا تھا

چپکے سے مرے کان میں کہ دو جو ہے کہنا
سُن پائیں نہ اغیار صنم تم نے کہا تھا

آتی ہے وفاؤں کی ترے پیار سے خُوشبو
ملتے ہوئے ہر بار صنم تم نے کہا تھا

اس شہر میں اک میں ہی نہیں لوگ ہیں سارے
عاجزؔ کے پرستار صنم تم نے کہا تھا

غزل

قتل کے بعد یہ سوغات بھی گھر لے جانا
"تم کسی طشت میں رکھ کر مرا سَر لے جانا"

ایک مُدت سے ہے محفوظ مرے سینے میں
یہ امانت ہے تری دردِ جگر لے جانا

دردِ فرقت کی اذیت میں پریشاں ہوں میں
ہو سکے گر تو کبھی آ کے خبر لے جانا

پیار کی پیاس میں بیتابیٔ دل بڑھنے لگی
چارہ گر جلد مُجھے پیار نگر لے جانا

سختیاں ہجر کی کب تک میں سہوں گا عاجزؔ
تم جِدھر جاؤ مُجھے ساتھ اُدھر لے جانا

دوشعر

دیدہ وَر کوئی کہیں تم کو اگر مل جائے
بیٹھ کر پاس ذرا فیضِ نظر لے جانا

راہ دُشوار ہے پُرپیچ ہے جانے والو
رہنما ساتھ کوئی اہلِ نظر لے جانا

غزل

ڈال گلشن پہ صنم ایک نظر شام کے وقت
کس لئے ہوتے ہیں غمگین شجر شام کے وقت

لُوٹ لیتے ہیں سرِشام سرِراہ غنیم
مہنگا پڑتا ہے مسافر کو سفر شام کے وقت

شام ہوتے ہی چلے آتے ہیں گھر اپنے طُیور
تم بھی لَوٹ آیا کرو رشکِ قمر شام کے وقت

سائے ڈھلتے ہیں تو ہو جاتے ہیں اشجار اُداس
اور بڑھ جاتا ہے کچھ دردِ جگر شام کے وقت

اپنے چہرے پہ سجا لینا مرا خون بہار
پھیکا پڑ جائے ترا رنگ اگر شام کے وقت

یوں تو رکتے ہی نہیں ہیں یہ کبھی چشمِ حزین
تیز بہتے ہیں ترے اشک مگر شام کے وقت

صبح کے وقت دُعا مانگ بصد عجز و نیاز
رنگ لائے گا دُعاؤں کا اثر شام کے وقت

میں نے اخلاص سے جس روز لگائے جو نخیل
مِل گیا اُن کا اُسی روز ثمر شام کے وقت

بھول عاجزؔ میں گیا ہجر کے صدمات تمام
آگئے بن کے وہ مہمان جو گھر شام کے وقت

غزل

خوب ہے تیری لگن من میں جلن کی صورت
جو بھڑکتی ہے مرے تن میں اگن کی صورت

دل کو کیا بھانے لگی سرو وسمن کی صورت
آگئی یاد صنم تیری پھبن کی صورت

کب کسی آنکھ نے دیکھی ہے بھلا اس جیسی
جیسی دیکھی ہے مرے پیارے سجن کی صورت

پھر مصور نے بنائی ہی نہیں ہے ایسی
خوب جیسی ہے بنی شاہِ زمن کی صورت

دل ہے بیتاب بہت صورتِ سیماب مرا
کاش بن جائے کوئی ان سے ملن کی صورت

ہو بہو آپ کی تصویر نظر آتے ہیں
ہو بہو آپ سے ملتی ہے حسن کی صورت

کس طرح اس کو ملے کوئی نشاں منزل کا
جس نے دیکھی ہی نہیں راہِ کٹھن کی صورت

آہ! صیاد سے مانوس ہیں مرغانِ چمن
حیف صد حیف! یہ ہے اہلِ چمن کی صورت

کیوں کھلونے کی طرح کھیل رہے ہیں اس سے
کتنی مشکل سے بنی تھی یہ وطن کی صورت

الاُماں! شہروں میں گھس آئے درندے بن کے
اَلحذر! شہر بھی اب بن گئے بن کی صورت

کیچڑ اوروں پہ اچھالے گا نہ کوئی عاجز
ہو اگر پیشِ نظر اپنے چلن کی صورت

غزل

ساقی کے تصرف میں ہے میخوار کی صورت
میخوار ہے مجبور گرفتار کی صورت

مخلوق کی تخلیق کا باعث ہے محبّت
ہر شکل میں آتی ہے نظر پیار کی صورت

کیا خوب دلاویز ہیں انداز صنم کے
انکار بھی کرتے ہیں وہ اقرار کی صورت

اس شرط پہ بکنے کو ہوں تیار کہ پہلے
میں دیکھ تو لُوں اپنے خریدار کی صورت

اے کاش کہ محبوب مرے خواب میں آئیں
بن جائے کبھی خواب میں دیدار کی صورت

طوفانِ بلا خیز سے وہ کیسے لڑے گا
جس شخص نے دیکھی نہ ہو منجھدار کی صورت

گھر چھوڑ کے پردیس میں آیا ہے مُسافر
مغموم ہے غُربت میں عزادار کی صورت

معلوم نہیں کیا ہُوا چپ لگ گئی اس کو
خاموش کھڑا رہتا ہے دیوار کی صورت

حیرت ہے کہ مسجودِ ملائک کو اے عاجز
بھیجا گیا دُنیا میں خطا کار کی صورت

غزل

خُود کو خُدا سمجھ نہ خُدا کو جُدا سمجھ
یہ فلسفہ عجیب ہے اس کو ذرا سمجھ

وہ پردہ دار جو پسِ پردہ ہے کون ہے
پردے میں دیکھ پردے کو اک آئینہ سمجھ

بُت خانۂ صفات سے آتی ہے یہ صدا
ہر بُت میں بُت تراش کو جلوہ نما سمجھ

تفریقِ دَیر و کعبہ میں نہ وقت ضائع کر
لفظوں کو چھوڑ ان کا فقط مدّعا سمجھ

ہر ساز کے سُروں میں نواؤں کا زیرو بم
جو بولتا ہے ساز میں اُس کی ادا سمجھ

ہلتا نہیں ہے برگ کوئی حکم کے بغیر
مُضمَر ہر ایک فعل میں اُس کی رضا سمجھ

در کوئے عشق شکوہ شکایت حرام ہے
خاموش رہ یہاں پہ جفا کو وفا سمجھ

محبوب گر کہے کہ کسی بت کو سجدہ کر
تعمیلِ حکم فرض ہے بے شک روا سمجھ

عاجز بے شکل شکل دِکھاتا ہے شکل میں
ہر شکل کے لباس میں بے شکل را سمجھ

غزل

پھیر کر مجھ سے مُنہ اجنبی کی طرح
تم چلے روٹھ کر زندگی کی طرح

یوں نہ دو مجھ کو جرمِ وفا کی سزا
دل لگی نہ کرو برہمی کی طرح

پھر رہا ہوں بھٹکتا ہوُا چار سُو
میں کہ آوارہ ہوں چاندنی کی طرح

کُوچہ کُوچہ پھِرا ہُوں مگر ایک بھی
آدمی نہ ملا آدمی کی طرح

عمر بھر تیرگی میں بھٹکتا رہا
ایک مفلس کی بیچارگی کی طرح

پوچھنے والو کیا تم کو بتلاؤں میں
جی رہا ہوں فقط اک دکھی کی طرح

میری تخیئل ویران و سنسان ہے
دشتِ لمحات میں چاندنی کی طرح

دستِ گُلچیں کے جورو ستم سے بچو
مُسکراؤ نہ تم اِک کلی کی طرح

عاجز اپنی ہی بستی میں حیران ہے
ایک بھٹکے ہوئے اجنبی کی طرح

غزل

پیار کو اکسیر کر —— کل جہاں تسخیر کر
خُلق کی مشعل جلا —— بزم میں تنویر کر
جس میں ہو اُس کی رضا —— ایسی اک تقصیر کر
جن سے حاصل ہو شعور —— شعر وہ تحریر کر
شعر گوئی کے لئے —— فکر کی تطہیر کر
کج نگاہی سے نہ دیکھ —— سیدھا اپنا تیر کر
مت کسی کا قد گھٹا —— مت عبث تنکیر کر
میں گیا گزرا نہیں —— سوچ کر تحقیر کر
نائبِ معبود ہوں —— ہوش کر، توقیر کر
گو میں تیرا راز ہوں —— پر مری تشہیر کر
خواب ہے عاجز ترا —— خواب کی تعبیر کر

غزل

بات پُر تاثیر کر —— خاک کو اکسیر کر
زندگی میں اختیار —— اسوۂ شبیر کر
چاہتا ہے گر سکوں —— قلب کی تطہیر کر
پائے گا دل کی مراد —— جستجوئے پیر کر
پہلے بن جوگی فقیر —— پھر تلاشِ ہیر کر
آ مرے نزدیک آ —— "آ مجھے تسخیر کر"
دُنیائے دُوں سے الگ —— اک جہاں تعمیر کر
خواب جو تُو نے بُنے —— ان کی اب تعبیر کر
سوچ میں ڈوبا ہے کیوں —— حیلہ کر تدبیر کر
خود بنا اپنا نصیب —— خود کو خود تعمیر کر
خلق میں افضل ہے تو —— شکر بر تقدیر کر
آیا ہوں عاجز یہاں —— خوں کے دریا چیر کر

غزل

ساقیا! ہر دم نظر رہتی ہے تیرے جام پر
کب نگاہِ مہر ہو گی رند تشنہ کام پر

تہمتیں جتنی ہیں وہ ساری لگا دے میرے نام
حرف کوئی اے صنم آئے نہ تیرے نام پر

اے نگاہِ شوق تُو کوشش تو کر دیدار کی
بے حجاب آتا ہے وہ محبوب اکثر بام پر

شوق سے تو باندھ کر چل تو پڑا ہے! دیکھنا
داغ کوئی لگ نہ جائے اس ترے احرام پر

تیرا گھر تنکوں کا ہے اور برق سے پَرخاش ہے
مُرغکِ بے مایہ تُو کچھ غور کر انجام پر

وہ کہاں ہے غیر! جس کو غیر گردانا گیا
وائے نادانی! کہ ہم بُھولے خیالِ خام پر

منتخب جب میں ہوا عاجزؔ نیابت کے لئے
معترض قدسی ہوئے تھے کیوں مرے اکرام پر

غزل

اک شخص وضعدار مجھے یاد ہے اب تک
جس سے تھا کبھی پیار مجھے یاد ہے اب تک

اخلاص کا پیکر تھا وفاؤں کا وہ پُتلا
کتنا تھا ملنسار مجھے یاد ہے اب تک

جس دن سے وہ بچھڑا ہے نہیں لوٹ کے آیا
پھر بھی وہ مرا یار مجھے یاد ہے اب تک

یہ بُھول تھی میری کہ اُسے جانے دیا کیوں
میں ہی تھا خطا وار مجھے یاد ہے اب تک

میں بُھول کے بھی اُس کو نہیں بُھول سکوں گا
وہ صاحبِ کردار مجھے یاد ہے اب تک

کربل کی کڑی دھوپ میں تنہا ہی کھڑا تھا
اک قافلہ سالار مجھے یاد ہے اب تک

جس شخص نے چاہا تھا مجھے ٹوٹ کے عاجزؔ
وہ میرا پرستار مجھے یاد ہے اب تک

غزل

الفتوں کی دوستو! سوغات بانٹیں شہر میں
پیار میں ڈوبے ہوئے جذبات بانٹیں شہر میں

بھاگ جائیں گی بلائیں نفرتوں کی خود بخود
مل کے سب اخلاص کی خیرات بانٹیں شہر میں

سارا دن خورشید جیسے بانٹتا ہے روشنی
ہم بھی دل کا نور ساری رات بانٹیں شہر میں

گر ہیں توحیدی تو بس توحید کا پرچار ہو
تفرقوں کے کیوں؟ منات ولات بانٹیں شہر میں

ہو گئے قابض حریمِ دل پہ خود غرضی کے بُت
توڑ دیں ان کو جو وہ آلات بانٹیں شہر میں

ہے بہت کم یاب گر ایثار مل جائے کہیں
تو اُسی ایثار کے ثمرات بانٹیں شہر میں

اپنے حُسنِ خلق سے جنّت بنا دیں شہر کو
چھوڑ دیں سیّات ہم حسنات بانٹیں شہر میں

نفرتوں کی آندھیاں اٹھنے نہ پائیں اب یہاں
اتحاد و پیار کے حالات بانٹیں شہر میں

جو مقدس آیتیں کرتی ہیں تالیفِ قلوب
کیوں نہ عاجزؔ! ہم وہی آیات بانٹیں شہر میں

غزل

معظّم برگزیدہ نائبِ معبود ہوں مَیں
ملائک نے کیا سجدہ مجھے! مسجود ہوں میں

مُقدس قُدسیوں کی سجدہ ریزی کہ رہی تھی
سعادت مندِ فطری فطرتاً مسعود ہوں میں

خدا معلوم میری ابتدا کب سے ہوئی ہے
ازل ہی سے جو اُس موجود میں موجود ہوں مَیں

مُصور کے تصور میں جو تھی تصویرِ اَحسن
وہی تصویر تو ہوں جو کہ اب مشہود ہوں میں

بظاہر ہوں بشکلِ آدمِ خاکی مُقیّد!
حقیقت گر مری سمجھو کہاں محدود ہوں مَیں

بتا دوں کیا حقیقت ہے مری کیا حیثیت ہے
محبّت ہوں! سبب تخلیقِ ہست و بود ہوں مَیں

مری تنقیص کرنے والو کچھ سوچا تو ہوتا
خدائے لم یزل کا اوّلیں مقصود ہوں مَیں

رسائی ہے حریمِ ذاتِ مطلق تک بھی میری
حصارِ ذاتِ خود میں کب بھلا محدود ہوں میں

فراقِ یار کے دوزخ کا ہو کیوں خوف عاجزؔ!
وصالِ یار کی جنت کا جو موعود ہوں مَیں

غزل

پیار کا اقرار صدیوں سے کیئے پھرتا ہوں میں
جام الفت کا ازل ہی سے پیئے پھرتا ہوں میں

چپکے چپکے جل رہا ہوں پیار کی جس آگ میں
آنکھ میں اُس آگ کے شعلے لئے پھرتا ہوں میں

کیا خودی کیا بے خودی مجھ کو خبر کچھ بھی نہیں
رہتا ہوں مدہوش ایسی مَے پیئے پھرتا ہوں میں

مارا مارا در بدر کیونکر پھروں اُس کے لئے
جس کو ہر دم ساتھ پہلو میں لئے پھرتا ہوں میں

مُوسلوں کی بارشیں ہوتی ہیں تو ہوتی رہیں
اوکھلی میں اب تو اپنا سر دیئے پھرتا ہوں میں

آبِ رحمت سے مٹا دو داغِ عصیاں اَے کریم
دامنِ دل میں چھپا کر جو لئے پھرتا ہوں میں

جُرم ہے عاجزؔ یہاں نغمہ سرائی، اس لئے
اس چمن میں اپنے ہونٹوں کو سیئے پھرتا ہوں میں

فرد

مری داستانِ حسرت نہ سُنو وگرنہ عاجزؔ
تم سُن کے رو پڑو گے میں سُنا کے رو پڑوں گا

غزل

سفر کرتا جہاں سے آ رہا ہوں
اُسی جانب میں بھاگا جا رہا ہوں

عجب چکّر چلا ہے زندگی کا!
کہ بس چکّر پہ چکّر کھا رہا ہوں

بہت مہنگا پڑا جرمِ محبّت
سزاؤں پر سزائیں پا رہا ہوں

ہُوا مَصلوب جس نغمے کو گا کر
وہ نغمہ دار پر بھی گا رہا ہوں

محبّت کی کَسک ہے ایک نعمت
زہے قسمت یہ نعمت پا رہا ہوں

تصوّر میں کسی کے محو ہو کر
اسی کی سمت کھنچتا جا رہا ہوں

مرے اشعار افسانہ نہیں ہیں
حقائق آپ کو بتلا رہا ہوں

سُنیں سب غور سے میری یہ باتیں
رموزِ زندگی سمجھا رہا ہوں

محبّت میں ادب ہے شرط، عاجزؔ
ادب سے سِیکھ ادب سکھلا رہا ہوں

غزل

ہُوں کون؟ اپنا حسب و نسب جانتا ہوں مَیں
آیا ہوں کیوں یہاں؟ وہ سَبَب جانتا ہوں مَیں

میرے ہی واسطے ہوُا کنزِ نہاں عیاں!!
محجوب تھا حجاب میں رَب جانتا ہوں مَیں

تخلیقِ کائنات کا منظر نظر میں ہے
کیسے ہوُا! کیا کیا ہوُا؟ سب جانتا ہوں مَیں

ہر شان بے نیاز کی ہے ماوراءِ عقل
اُس کی ہر ایک شان عجب جانتا ہوں مَیں

میں صحبتِ ادیب میں بیٹھا ہوں چار دن
پروردہِ اُدب ہوں اَدب جانتا ہوں مَیں

دلکش ہے دلفریب و حسیں ہے بہت مگر
دنیا فقط ہے لہو و لعب جانتا ہوں مَیں

عاجزؔ! فریبِ عیش و طرب کھاؤں کس طرح
جبکہ مآلِ عیش و طرب جانتا ہوں مَیں

قطعہ

شاکیِ تقدیر کیوں زندانیِ تقدیر ہے
تجھ کو بخشی ہے خلافت خالقِ تقدیر نے
خود ہی تو اپنے مقدر کے ستارے کو اُجال
یہ تدبر بھی دیا ہے مالکِ تدبیر نے

غزل

غیر کی آگ میں جلنے والے پروانوں سے کیا اُلجھیں
ان بے چارے عقل سے عاری نادانوں سے کیا اُلجھیں

ذکر کسی کا کرتے رہنا جن کی خاص عبادت ہے
اپنی دُھن میں ہیں دیوانے، دیوانوں سے کیا اُلجھیں

لب پر اللہ دل میں بُت ہیں آفت کے پرکالوں کے
ایسے ویسے ایماں والے انسانوں سے کیا اُلجھیں

نگری، نگری، قریہ، قریہ بین بجاتے پھرتے ہیں
مستی میں ہیں مست سپیرے مستانوں سے کیا اُلجھیں

اپنے مَن کے غار میں بیٹھیں، ویرانوں میں کیا لیں گے
ویرانے تو خُود ویراں ہیں، ویرانوں سے کیا اُلجھیں

رہنے دیں! بس رہنے دیں ان جام، سبو، پیمانوں کو
آنکھ سے پینے والے مَیکش، پیمانوں سے کیا اُلجھیں

اپنے دشمن، اپنے در پر گر چل کر ہیں آ ہی گئے
اب تو وہ مہمان ہیں اپنے مہمانوں سے کیا اُلجھیں

عاجزؔ! ہم دیوانوں سے ہے فرزانوں کی چھیڑ چلی
سوچ رہے ہیں ہم دیوانے فرزانوں سے کیا اُلجھیں

غزل

دورِ استبداد میں شکوہ بھی کر سکتا نہیں
آہ! اب مظلوم کوئی آہ بھر سکتا نہیں

اس چمن پر تو ہمیشہ سے ہے گُل چینوں کا راج
نونہال اس میں کبھی کوئی اُبھر سکتا نہیں

اپنے آنگن میں اندھیرے ہی اندھیرے چھا گئے
لگتا ہے جیسے یہاں پر چاند اُتر سکتا نہیں

بن گیا آماجگاہ تخریب کاروں کی یہ گھر
اب یہاں پُرامن کوئی دن گزر سکتا نہیں

اپنی وحدت پر مجھے ہے اس قدر پختہ یقیں
میں بکھر سکتا نہیں ہرگز بکھر سکتا نہیں

زندگی ہے اک سفر جس کا نہیں ہے اختتام
موت سے ہرگز کبھی انسان مر سکتا نہیں

ایک عاجزؔ ہی نہیں یہ شہر سارا ہے گواہ
اپنے ظلم و جور سے ظالم مُکر سکتا نہیں

غزل

مست کو چھیڑیں نہ وہ مدہوش کی باتیں کریں
ہوش والے کچھ تو یارو ہوش کی باتیں کریں

بے خودی میں مُسکرا کر چڑھ گیا جو دار پر
اُس قلندر کے جنون و جوش کی باتیں کریں

میکدے کی عظمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے
ذکر ساقی کا کریں مَے نوش کی باتیں کریں

فصلِ گُل کالی گھٹائیں اور رنگیں ہے فضا
میگسارو آؤ ناؤ نوش کی باتیں کریں

مُنہ چھپا کر آج میخانے میں واعظ کیوں گھسا
دال میں کالا ہے کچھ رُوپوش کی باتیں کریں

مرحلے دُشوار بھی آسان ہو جائیں گے سب
عزم و ہمت ولولہ و جوش کی باتیں کریں

آندھیاں حالات کی پتے اُڑا کر لے گئیں
ننگی شاخوں کے سرو برپوش کی باتیں کریں

جس کا بچہ پی گیا مقتل میں پانی تیر کا
مادرِ معصوم کی آغوش کی باتیں کریں

شہر میں چپ چاپ رہتا ہے خدا معلوم کیوں
عاجزِؔ خلوت نشیں خاموش کی باتیں کریں

غزل

یاد آتے ہیں تو چہرے پہ الم بولتے ہیں
میں نے فرقت میں سہے ہیں جو وہ غم بولتے ہیں

کس سے خائف ہیں کیوں خاموش ہیں مُسلم سارے
اب عرب بولتے ہیں اور نہ عجم بولتے ہیں

میں بھی خاموش مرے زخم بھی خاموش مگر
"تُو نے جو جان پہ ڈھائے ہیں ستم بولتے ہیں"

خامُشی میری طبیعت کا ہے خاصہ ورنہ
میری آواز میں تو لوح و قلم بولتے ہیں!

موت! ہم کو نہ ڈرا ہم کیا مریں گے تجھ سے
تُو نے دیکھا ہے کہ ہم ہو کے قلم بولتے ہیں

آسماں سے میں اُتر آیا تھا خاموشی سے
آسماں پر جو چڑھوں اب تو قدم بولتے ہیں

بات کھل کر وہ نہیں کرتے کسی سے عاجزؔ
بولتے تو ہیں وہ محبوب پہ کم بولتے ہیں

دو شعر

عجیب رنگ میں اب کے بہار گزرے گی
ترے فراق میں وہ بے قرار گزرے گی
گزر تو جائے گی تیرے بغیر بھی لیکن
بہت اُداس بہت سوگوار گزرے گی

غزل

آگیا جب وہ ستمگر دل لگی کے موڈ میں
کر دئے برباد سب گھر دل لگی کے موڈ میں

اجنبی اک آبسا ہے میرے گھر کے سامنے
چھیڑتا رہتا ہے اکثر دل لگی کے موڈ میں

کیا عجب طرفہ تماشا ہے سمجھ آتا نہیں
سر پہ آپڑتے ہیں پتھر دل لگی کے موڈ میں

سوچتا ہوں کیا ہوا کیوں نیند اب آتی نہیں
جاگتا رہتا ہوں کیونکر دل لگی کے موڈ میں

آشنا نا آشنا میرے لئے یکساں ہیں سب
پھبتیاں کستے ہیں مجھ پر دل لگی کے موڈ میں

بستے بستے بس ہی جائیں گے کبھی یہ گھر سبھی
آج کل ویراں ہیں جو گھر دل لگی کے موڑ میں

اُونچا سنتا ہے مجھے عاجزؔ! سمجھ آیا نہیں
کیا کہا ہے تُو نے ہنس کر دل لگی کے موڑ میں

قطعہ

میں نہیں کہتا کہ مجھ سے پیار کر
نفرتوں کا بھی نہ تُو اظہار کر
تُو وفاؤں کا صلہ بے شک نہ دے
پر مرے اخلاص کا اقرار کر

غزل

یوں تو کہنے کو فقط جزوِ بدن ہیں آنکھیں
ڈوب جانا نہ کہیں نیل گگن ہیں آنکھیں!

کتنی خوش بخت یہ خوش کام سجن ہیں آنکھیں
تیرے چہرے کی تلاوت میں مگن ہیں آنکھیں

تیری آنکھوں کی چمک سے میں چمک جاتا ہوں
ذرّۂ ریگ کو سورج کی کرن ہیں آنکھیں

بدگُماں دل تو وَساوِس میں گھرا رہتا ہے
نیک خُو، نیک نظر، نیک چلن ہیں آنکھیں

چہرہ، چہرہ ہی نہ ہوتا جو نہ ہوتی آنکھیں
چہرہ، چہرہ ہے کہ چہرے کی پھبن ہیں آنکھیں

آنکھوں آنکھوں میں ہی کہ ڈالا صنم نے سب کچھ
میں تو سمجھا تھا کہ خاموش دہن ہیں آنکھیں

یہ تپش ہیں، یہ خلش ہیں، یہ چبھن ہیں عاجزؔ
قلبِ مضطر کے لئے تیر فگن ہیں آنکھیں

فرد

مری آنکھوں کے رستے تُو اگر دل میں اُتر جائے
سکوں ہو جائے گا حاصل ہمیشہ کے لئے مُجھ کو

....

اند مال اِن مرے زخموں کا بھی ہو جائے گا
تم اگر میرے لئے بن کے مسیحا آؤ!

غزل

پُھول ہے، رنگ ہے، صبا ہے تُو
جانِ گلشن ہے، جاں فزا ہے تو

عشق کی وجہِ ابتدا ہے تُو
حُسن کی شانِ انتہا ہے تُو

تجھ کو سوچُوں تو کس طرح سوچُوں
میری سوچوں سے ماورا ہے تُو

کس سے سمجھوں میں کون سمجھائے
کون سمجھا تجھے کہ کیا ہے تُو

بندۂ عشق کی نگاہوں میں
سرتاپا حُسن ہے ادا ہے تُو

گرتا پڑتا میں تیرے پاس آیا
گرتے پڑتے کا آسرا ہے تو

اپنے اندر سمیٹ لے مجھ کو
پیار کی گود ہے حرا ہے تو

میں نے اوڑھا ہے اس لئے تجھ کو
سر پہ سایہ فگن ردا ہے تو

بھول جاؤں میں کس طرح عاجزؔ
ایک مدت سے آشنا ہے تو

غزل

معلوم کس طرح سے ہو اُن کی خبر کوئی
اُن کی طرف سے آیا نہیں نامہ بر کوئی

ڈالے نظر کسی پہ اور آئے نظر کوئی
اک طُرفہ یہ تماشا ہے دیکھے اگر کوئی

طے ہو چکے تمام محبّت کے مرحلے
درپیش مرحلہ نہیں اب پُرخطر کوئی

لُٹتے ہیں قافلے کئی رستے میں اس لئے
لے جاتے اپنے ساتھ نہیں دیدہ ور کوئی

کچھ دیر پاس بیٹھ کے ہو اکتسابِ فیض
مل جائے گر تمھیں کہیں اہلِ نظر کوئی

روشن ہے کائناتِ دل اس کے جمال سے
اک شمع رُو گیا مرے دل میں اُتر کوئی

میں اُس کو دیکھ دیکھ کے لکھتا رہا غزل
بیٹھا تھا میرے روبرو رشکِ قمر کوئی

تصویر اُس کی کھنچ گئی جب سے نگاہ میں
جچتا نہیں نگاہ میں اب خوب تر کوئی

عاجزؔ سمجھ سکا نہیں میں آج تک اُسے
رہتا ہے میرے سامنے فوق البشر کوئی

غزل

جو نہیں تھے مانتے آخر ہوئے قائل وہی
سنگ باری کرنے والوں میں بھی تھے شامل وہی

جس کی پیدائش پہ ناخوش تھے ترے قُدسی تمام
آخرش تیری امانت کا ہوُا حامل وہی

کشمکش کیسی ہے یہ اپنے دلوں میں اب صنم
چاہتیں گو کہ وہی ہیں اور ہمارے دل وہی

تشنہ لب بیٹھے ہیں چُپ نا آشناؤں کی طرح
جبکہ ساقی بھی وہی، میکش وہی، محفل وہی

اب وہ پہلی سی عنایت کیوں نہیں ہوتی حضور
در وہی، داتا وہی، کاسہ وہی، سائل وہی

پھر ہیں سب ہم مشورہ میرے ڈبونے کے لئے
ناخدا و بادبان و کشتی و ساحل وہی

کربلا کا سا سماں ہے حق پرستوں کے لئے
آگ ہے خیمے ہیں اور ہے لشکرِ باطِل وہی

اتفاقی حادثہ ہے پھر اکٹھے ہو گئے
ہم وہی، مقتل وہی، خنجر وہی، قاتل وہی

ہم نے جو سجدہ کیا محرابِ دل میں شوق سے
زندگی بھر کی عبادت کا ہے اک حاصل وہی

زندگی ایسا سفر ہے جس کی کوئی حد نہیں
جو جہاں پر رک گیا اُس کی ہے بس منزل وہی

جو مسافر رہتا ہے عاجز سفر میں بے خبر
راستے میں ہر قدم پر لُٹتا ہے غافل وہی

غزل

حُسنِ اخلاق دکھا حُسنِ عمل سے پہلے
پُھول کِھلتے ہیں صنم شاخ پہ پھل سے پہلے

زُلفِ جاناں میں ابھی بَل نہ پڑا تھا کوئی
دل اُلجھ کیسے گیا زُلف میں بل سے پہلے

کِس کی تنویرِ محبّت کی تجلّی تھی وہ
جس کا اظہار ہُوا روزِ ازل سے پہلے

جس کو تخلیق کیا اپنا خلیفہ کہہ کر
یہ شرف اُس کو دیا اُس کے عمل سے پہلے

تیری پہچان بنی میری غزل اے جاناں
کس نے جانا تھا تجھے میری غزل سے پہلے

تیری تشہیر کا باعث ہی غزل ہے میری
تُو تھا گُم نام یہاں میری غزل سے پہلے

فصلِ گُل میں تو نہیں کوئی ہُوا ردّ وبدل
کیوں اُڑا رنگ ترا ردّ وبدل سے پہلے

دھمکیاں قتل کی دے کر نہ ڈرا اے قاتل
مار سکتا ہے کِسے کون؟ اجل سے پہلے

جو کرو گے سو بھرو گے ہے حقیقت بیشک
سوچ لو خوب یہ آغازِ عمل سے پہلے

آج کا کام کبھی کل پہ نہ چھوڑو ہرگز
آج کرنا ہے جو کر لو اُسے کل سے پہلے

جس نے کچھ بھی نہ کیا اُس سے ہے پُرسش کیسی
کیا مکافاتِ عمل ہے یہ عمل سے پہلے

اپنے محبوب کو صحراؤں میں تنہا عاجزؔ
کس نے چھوڑا تھا بتا خان پُنل سے پہلے

قطعہ

ہے کہاں پیار یہاں پیار کی بُو باس نہیں
نام تو لیتے ہیں سب پیار کا پر پاس نہیں
تُو مرے پاس نہ آ مجھ سے تو مانوس نہ ہو
پیار کا نام نہ لے پیار مجھے راس نہیں

غزل

آج ماحول کے حالات سے ڈر لگتا ہے
جانے کیوں آج ہر اک بات سے ڈر لگتا ہے

سہما سہما سا میں بیٹھا ہوں تری محفل میں
تُو ہے جذبات میں جذبات سے ڈر لگتا ہے

جل نہ جاؤں میں کہیں طُور کے پتّھر کی طرح
حُسن کی مہر و عنایات سے ڈر لگتا ہے

تیری قُربت میں گزارے تھے جو لمحات کبھی
یاد آتے ہیں تو لمحات سے ڈر لگتا ہے

دن گزرتا ہے اذیت میں اسیرِ غم کا
دن گزر جائے تو پھر رات سے ڈر لگتا ہے

تیری تصویر سجا لوں میں خیالوں میں صنم
اپنے سُنسان خیالات سے ڈر لگتا ہے

کر ہی بیٹھا ہوں سوالات تو انکار نہ کر
جانِ جاں منفی جوابات سے ڈر لگتا ہے

دامنِ تر میں ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں
داورِ حشر حسابات سے ڈر لگتا ہے

کچھ عمل ہو تو مکافاتِ عمل ہو عاجزؔ
کیا عمل ہو! کہ مکافات سے ڈر لگتا ہے

غزل

معلوم نہیں کون ہے کیا ڈھونڈ رہا ہے
لگتا ہے کہ گم گشتہ اَنا ڈھونڈ رہا ہے

جس دور میں نیلام سرِعام ہو عصمت
اس دور میں نادان حیا ڈھونڈ رہا ہے

ماحول کی آلودگیاں رقص کُناں ہیں
ہر فرد ہے بیمار دَوا ڈھونڈ رہا ہے

کیا حِلم ہے لاشوں میں گِھرا صبر کا پیکر
کس شان سے مقتل میں قضا ڈھونڈ رہا ہے

محشر میں خطا کار پہ دیکھی جو نوازش
زاہد ہے پشیمان خطا ڈھونڈ رہا ہے

انجام تو معلوم نہیں اپنا کسی کو
آغاز میں ہر شخص مزا ڈھونڈ رہا ہے

آیا ہے کہاں سے وہ مرے شہر میں ظالم
جو شخص تنفّر کی فضا ڈھونڈ رہا ہے

اغیار تو اغیار ہیں کیا ان سے گلہ ہو
اپنا بھی مرے خوں کی حنا ڈھونڈ رہا ہے

میں جس کو جفاؤں پہ دعا دیتا ہوں عاجزؔ
وہ میری وفاؤں کی سزا ڈھونڈ رہا ہے

غزل

سخت لہجے میں مرا شوخ صنم بولتا ہے
بات کیسے میں کروں مجھ سے وہ کم بولتا ہے

چشمِ پُرنم سے چھلکتا ہوا غم بولتا ہے
''آنکھ خاموش ہے پر آنکھ کا نم بولتا ہے''

سوزشِ دردِ نہاں کو وہ بیاں کرتا ہے
وقتِ رخصت جو کہ چہرے پہ الم بولتا ہے

وہ سمایا ہے مری ذات میں خُوشبو کی طرح
مجھ میں جو بولتا ہے اس کا کرم بولتا ہے

ڈھونڈ لیتا ہے اُسے ڈھونڈنے والا ہر اک
اس کی ہر راہ کا ہر نقشِ قدم بولتا ہے

کس قدر ربط ہے الفاظ و قلم کے مابین
لفظ جب بولتے ہیں ساتھ قلم بولتا ہے

مل گئی قوتِ گویائی اسے بھی شاید
اب مرے ساتھ جو پتھر کا صنم بولتا ہے

اب ستمگر کے لئے سینہ سپر کوئی نہیں
اب تو سر چڑھ کے ستمگر کا ستم بولتا ہے

زندہ جاوید ہے وہ میری نظر میں عاجزؔ
نوکِ نیزہ پہ جو سر ہو کے قلم بولتا ہے

غزل

جوش جب غیرتِ شبیر میں آجاتا ہے
ہاتھ پھر قبضۂ شمشیر میں آجاتا ہے

اشک ٹپکے تو وہ تشہیر میں آجاتا ہے
''کرب کا ذائقہ تحریر میں آجاتا ہے''

میری خاموش طبیعت میں اثر ہے اتنا
سانس لیتا ہوں تو تقریر میں آجاتا ہے

خوبصورت ہے بہت! کون ہے؟ معلوم نہیں
نقش جس کا دلِ دلگیر میں آجاتا ہے

اتفاقات کہوں یا کہ کہوں خوش بختی
خواب سے پہلے وہ تعبیر میں آجاتا ہے

کس کے ترکش سے نکلتا ہے کوئی کیا جانے
تیر جو سینۂ نخچیر میں آجاتا ہے

میں تری یاد کے فانُوس میں جب ہوتا ہوں
تو سراپا مری تصویر میں آجاتا ہے

خوف رہتا ہی نہیں کچھ بھی اندھیروں کا اُسے
جو ترے پیار کی تنویر میں آجاتا ہے

مختصر سا ہے مرے پیار کا قصہ لیکن
پھیل جاتا ہے تو تفسیر میں آجاتا ہے

بُھول جاتا ہے جو انسان حقیقت اپنی
باشرف ہو کے وہ تحقیر میں آجاتا ہے

اہلِ ثروت کے تو اک ادنیٰ اشارے پر ہی
بے خطا شخص بھی تعزیر میں آجاتا ہے

آسماں سے جو ٹپکتا ہے تخیّل کوئی
صاحبِ فکر کی تسخیر میں آجاتا ہے

تیرے ہر لفظ میں جادُو سا اثر ہے عاجزؔ
لب پہ آتے ہی وہ تاثیر میں آجاتا ہے

غزل

درپیش بہت گرچہ پُرپیچ سفر آئے
ہم کوئے محبّت میں بے خوف وخطر آئے

اے پردہ نشیں لیلیٰ محمل سے اُتر تو بھی
دیکھ آبلہ پا مجنوں صحرا سے گزر آئے

عشاق پئے سجدہ جھکتے ہی نہیں ہرگز
جب تک نہ اُنھیں اپنا مسجود نظر آئے

خود دار خودی جن کی برعرش طلب ان کی
جبریل بُلانے خود محبوب کے گھر آئے

ادراک پہنچ پایا کب اُن کی حقیقت تک
کچھ اور تھے وہ لیکن کچھ اور نظر آئے

غاروں میں مزاروں میں نہ ساتھ کہیں چھوٹا
صدیق صداقت میں یوں پورے اُتر آئے

مرقد میں اُترتے ہی میت نے کہا ہنس کر
ہم لوگ سفر میں تھے اب لوٹ کے گھر آئے

کیا عظمتِ شان اُن کی جن کے لئے اے عاجزؔ
ڈوبا ہوا سورج بھی دوبارہ اُبھر آئے

غزل

اُڑا کر چار دن اپنے پھریرے بھاگ جائیں گے
بہاریں لُوٹ کر فصلی بٹیرے بھاگ جائیں گے

نویدِ صبح آپہنچی اُجالا ہونے والا ہے
شبِ دیجور کے سائے گھنیرے بھاگ جائیں گے

گیا جادوگری کا دَور اَب جادو نہیں چلنا
مداری بھاگ جائیں گے سپیرے بھاگ جائیں گے

خلوصِ دل سے سب مل کر اذاں کہ دیں اگر مُسلم
یہودی اور نصرانی وڈیرے بھاگ جائیں گے

محافظ اپنے دریاؤں کے چوکس ہوگئے جس دم
اُٹھا کر جال تب سارے مچھیرے بھاگ جائیں گے

مکافاتِ عمل ہو کر چمن میں تو چمن سے سب
چمن کو لُوٹنے والے لُٹیرے بھاگ جائیں گے

محبّت کی قسم کھا کر محبّت سے دلوں میں ہم
محبّت کی جگائیں جوت اندھیرے بھاگ جائیں گے

سفر جاری رہے اپنا اندھیری رات ہے تو کیا
اندھیروں سے نہ گھبرائیں اندھیرے بھاگ جائیں گے

بدلنے والا ہے موسم فضا غمّاز ہے عاجزؔ
کہ اَب ظلمات کے بادل گھنیرے بھاگ جائیں گے

غزل

شاعر! ترے اشعار میں اخلاص نہیں ہے
کیا پیار ہے جس پیار میں اخلاص نہیں ہے

بے سود ہے اُس قوم کے فنکار کا سب فن
جس قوم کے فنکار میں اخلاص نہیں ہے

مانا کہ ہے مشہور تری شعلہ بیانی
لیکن تری گفتار میں اخلاص نہیں ہے

الفاظ کی تکرار تو ہے خوب غزل میں
الفاظ کی تکرار میں اخلاص نہیں ہے

سوچیں تو سمجھ دار ہے کتنا یہ سخنور
سمجھیں تو سمجھ دار میں اخلاص نہیں ہے

ہر ایک طلبگارِ محبّت تو ہے لیکن!
ہر ایک طلبگار میں اخلاص نہیں ہے

دیکھیں تو نظر آتے ہیں اخلاص کے پیکر
پرکھیں تو کسی یار میں اخلاص نہیں ہے

چہرے تو منور ہیں دلوں میں ہے کدورت
کیا حُسن کے انوار میں اخلاص نہیں ہے

غمخوار ہی پیتے ہیں غریبوں کا لُہو اَب
اَب نیّتِ غمخوار میں اخلاص نہیں ہے

افکار پریشاں ہیں جو ہر شخص کے یارو
ہر شخص کے افکار میں اخلاص نہیں ہے

تعمیر میں کس طرح نکھار آئے گا عاجز
اس دور کے معمار میں اخلاص نہیں ہے

غزل

جتنا ان کو دور سمجھا اتنے بیگانے لگے
دل میں بسنے والے محرم کتنے انجانے لگے

مہرباں جس دن سے ہم پر مہر فرمانے لگے
بس اسی دن سے نصیب اپنے سنور جانے لگے

پڑ گئی جب محتسب پر میرے ساقی کی نظر
وجد میں آکر وہ صاحب رقص فرمانے لگے

جونہی محفل میں اٹھایا اس نے چہرے سے نقاب
حشر برپا ہو گیا اجسام جل جانے لگے

چھن گئی جس دم متاعِ ذوق و شوقِ رنگ وبو
دل مین جو گلشن مہکتے تھے وہ ویرانے لگے

کہ گیا اک مست ایسی بات میرے کان میں
جس کو سُن کر سب کے سب ہی مست فرزانے لگے

میکدے میں دیکھ عاجز میگساروں کا سلوک
ایک ہی پیالے میں سب پینے لگے کھانے لگے

قطعہ

قلندر کی پہچان عاجز یہی ہے
زمیں آسماں سب قلندر کے اندر
تصرف میں جس کے زمان و مکاں ہوں
وہی ہے قلندر، وہی ہے قلندر

غزل

خود جو بے بہرہ ہیں وہ اوروں کو سمجھانے لگے
ہم کو تو اس قسم کے سب لوگ دیوانے لگے

ملّتِ بیضا کی یک جہتی مٹانے کے لئے
دے کے نفرت کی ہوا جذبات بھڑکانے لگے

الاماں یہ تفرقہ بازی یہ دہشت الاماں
بھیڑیے جنگل کے انسانوں سے گھن کھانے لگے

داعیِ توحید کیا ہی خوب یہ توحید ہے
اس تری توحید سے مشرک بھی شرمانے لگے

ہو رہی ہے بت پرستی پردۂ توحید میں
تفرقوں کے گھر ہیں جو معبد وہ بت خانے لگے

کس قدر کم ظرف ہیں وہ جو بزعمِ علمِ خویش
انبیاء کے علم کو نادان جھٹلانے لگے

یوں بھی عاجز لوگ کچھ بے ادبیاں کرنے لگے
ذکر اُن کا لب پہ اکثر بے وضو لانے لگے

قطعہ

مجھ کو جب میرے جنوں کے جوش نے جھٹکا دیا
ہوشمندوں کو بھی اُن کے ہوش نے بھٹکا دیا
بے خودی میری خودی کا کر رہی تھی جب طواف
فتویٰ گر اہلِ خرد نے دار پر لٹکا دیا

غزل

ہے مہر و محبّت کی فضا وقت حَسِیں ہے
کر لیں کوئی پیمانِ وفا وقت حَسِیں ہے

پُرکیف سرور افزا بہاروں کا سماں ہے
مَستی میں ہے مخمور ہَوا وقت حَسِیں ہے

یہ تاروں بھری رات بھی کرتی ہے اشارے
کہتی ہے صنم آنکھ ملا وقت حَسِیں ہے

لَوٹا نہ کبھی اور نہ لَوٹے گا کبھی بھی
جائے نہ گزر پیار بھرا وقت حسیں ہے

جاتا رہا گر ہاتھ سے تو ہاتھ مَلو گے
ضائع نہ کرو جانِ ادا وقت حَسِیں ہے

جو لوگ بھی کرتے ہیں حسینوں کی شکایت
دیتا ہے اُنھیں سخت سزا وقت حسیں ہے

شیوۂ حسیناں تو وفا بھی ہے جفا بھی
محتاط! اے جویائے وفا وقت حسیں ہے

ہر ایک حسیں حشر بداماں جو ہے، ڈر ہے
کر دے نہ کہیں حشر بپا وقت حسیں ہے

ہر ساز نے آوازِ سُریلی میں اَے عاجزؔ
کیا خوب ترنّم سے کہا وقت حسیں ہے

غزل

ہے آنکھ جو خُوں بار مجھے پختہ یقیں ہے
کر بیٹھے کہیں پیار مجھے پختہ یقیں ہے

لگ جس کو گیا روگِ محبّت تو وہ بندہ
ہے دائمی بیمار مجھے پختہ یقیں ہے

بیمارِ محبّت تو ہے اخلاص کا پیکر!
ہے صاحبِ کردار مجھے پختہ یقیں ہے

تعمیر میں شامل ہے لُہو میرے جگر کا
مضبوط ہے دیوار مجھے پختہ یقیں ہے

غافل نہ ہوں گر اہلِ چمن اپنے چمن سے
تو ہوں گے عدو خوار مجھے پختہ یقیں ہے

ہاتھوں میں دئے ہاتھ چلیں جانبِ منزل
ہیں راستے ہموار مجھے پختہ یقیں ہے

روشن ہے جہاں سارا تمھاری ہی چمک سے
اے حُسن کے مینار مجھے پختہ یقیں ہے

جس شہر میں بکتے ہوں حسیں لوگ تو وہ بھی
ہے مصر کا بازار مجھے پختہ یقیں ہے

الفاظ میں کھینچو مری تصویر کہ تم ہو
مشہور قلمکار مجھے پختہ یقیں ہے

اللہ نگہبان ہو پھر دوست ملیں گے!
گھبرائیں نہ زنہار مجھے پختہ یقیں ہے

فرقت کو تصور میں کبھی لائیں نہ عاجزؔ
ہے وصل لگاتار مجھے پختہ یقیں ہے

غزل

یہ کس کا آستاں دیکھا گیا ہے
خُودی میں لامکاں دیکھا گیا ہے

طُلوع ہونے کو ہے صُبحِ درخشاں
فضا کو شادماں دیکھا گیا ہے

سمٹ جائیں گے اب یکسر اندھیرے
چراغِ مقبلاں دیکھا گیا ہے

خُدا کا رازِ مخفی تھا جو بندہ!
وہ بندہ رازداں دیکھا گیا ہے

ورا ہے وہ مرے وہم وگماں سے
وہ بے حد بے نشاں دیکھا گیا ہے

کہاں سے لاؤں میں تمثیل اُس کی
کہ اس جیسا کہاں دیکھا گیا ہے

وہاں جبریل بھی نہ جا سکا تھا
بشر عاجزؔ! جہاں دیکھا گیا ہے

دو شعر

وہ غربت کا نشاں دیکھا گیا ہے
جو اک کچّا مکاں دیکھا گیا ہے

نہیں ہیں قُمقمے برقی مکاں میں
فقط اٹھتا دُھواں دیکھا گیا ہے

غزل

پریشاں کُن سماں دیکھا گیا ہے
اجڑتا گلستاں دیکھا گیا ہے

کٹھن حالات ہیں اہلِ چمن کے
کہ ہر گل خونچکاں دیکھا گیا ہے

یہ کس نے آگ دی ہے آشیاں کو
سلگتا آشیاں دیکھا گیا ہے

سبھی جس شخص سے کرتے ہیں نفرت
وہ سب کے درمیاں دیکھا گیا ہے

جسے بھی مہرباں سمجھا گیا تھا!
وہی نامہرباں دیکھا گیا ہے

اُسی نے لوٹا اپنے کارواں کو
جو میرِ کارواں دیکھا گیا ہے

سمجھ سکتا نہیں جو بات میری
وہ میرا ترجماں دیکھا گیا ہے

عدو کی کب ہوئی ہے صاف نیت
وہ اکثر بدگماں دیکھا گیا ہے

سفر درپیش کوئی پُرخطر ہے
کہ یُوسف کا کنواں دیکھا گیا ہے

وطن کی خیر ہو عاجزؔ! وطن میں
ہجومِ دشمناں دیکھا گیا ہے

ایک شریف بیوی کی پُکار

کِسی سے دل لگانا چاہتا ہے
نئی دُنیا بَسانا چاہتا ہے

وُہ اِک اُولا بہانہ چاہتا ہے
مجھے گھر سے بھگانا چاہتا ہے

اُسی کی ہو کے میں تو رہ گئی ہوں
وُہ مجھ سے جاں چُھڑانا چاہتا ہے

میں اُس کے پاس رہنا چاہتی ہوں
وُہ مجھ سے دور جانا چاہتا ہے

میں اُس کو یاد رکھنا چاہتی ہوں
وُہ مجھ کو بھول جانا چاہتا ہے

میں اُس کے ساتھ خوش ہوں خوش رہوں گی
وُہ کیوں مجھ کو رُلانا چاہتا ہے

کبھی میں اُس کی آنکھوں کا تھی سُرمہ
نظر سے اب گرانا چاہتا ہے

نشیمن ہے مرا جس شاخِ گُل پر
اُسے جڑ سے اُڑانا چاہتا ہے

وہ کیا تقصیر ہے؟ عاجزؔ! بتائے
بِنا جس کو بنانا چاہتا ہے

فرد

بڑے خلوص سے جو مُسکرا کے ملتا تھا
بڑے خلوص سے اُس نے مجھے فریب دیا

غزل

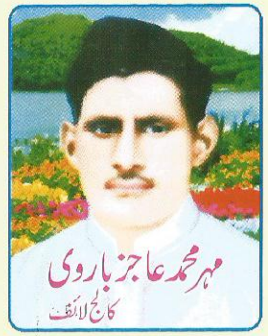
گر تُو بِسمل کے گھر گیا ہوتا
دیکھ کر حال ڈر گیا ہوتا

تُو جو آیا تو جی میں جی آیا
تُو نہ آتا تو مر گیا ہوتا

جانا ہی تھا چلا گیا ہے تُو
کوئی وعدہ تو کر گیا ہوتا

اشک ہوں میں ٹپکتا رہتا ہُوں
''زخم ہوتا تو بھر گیا ہوتا''

عمر بھر آرزو رہی عاجزؔ
کوئی دل میں اُتر گیا ہوتا



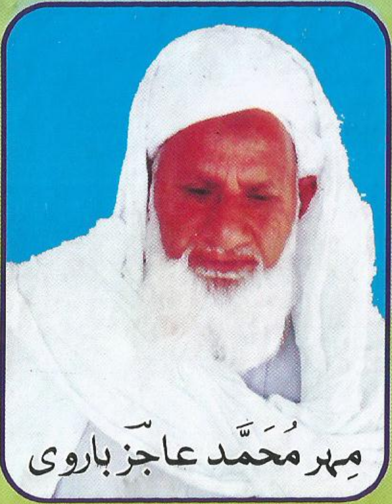


محمد اقبال شاہد



محمد نوید اقبال

خوبصورت ہے بہت! کون ہے؟ معلوم نہیں
نقش جس کا دِلِ دلگیر میں آجاتا ہے
اِتّفاقات کہوں یا کہ کہوں خُوش بختی
خواب سے پہلے وہ تعبیر میں آجاتا ہے



پیار کی گود

پُھول ہے، رنگ ہے، صبا ہے تُو
جانِ گلشن ہے، جاں فزا ہے تُو

پیار کی وجہِ ابتدا ہے تُو
حُسن کی شانِ انتہا ہے تُو

تُجھ کو سوچُوں تو کس طرح سوچُوں
میری سوچوں سے ماورا ہے تُو

گرتا پڑتا میں تیرے پاس آیا
گِرتے پڑتے کا آسرا ہے تُو

اپنے اندر سمیٹ لے مُجھ کو
پیار کی گود ہے ہَرا ہے تُو